بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ
مبارکپور

زیرِ سرپرستی:
عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

جلد نمبر ۳۸ شمارہ ۷

جولائی ۲۰۱۴ء

رمضان ۱۴۳۵ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 20 روپے

سالانہ: 200 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر —— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ —— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ —— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

20 $ امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ	رمضان المبارک اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور	مبارک حسین مصباحی	۳
	تحقیقات		
فقہی تحقیق	تقدیر اوقات	مولانا شمس الہدیٰ مصباحی	۸
	فقہیات		
آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں....	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۱
	نظریات		
فکر امروز	سچے مجاہد ہیں امریکہ، اسرائیل اور یورپ	مولانا محمد اسحاق رضوی	۱۳
روداد سفر	دار العلوم دیوبند۔ایک دورے کی عبرت آموز روداد	محمد حیدر رضا مصباحی	۱۵
	اسلامیات		
شعاعیں	روزہ کے بنیادی مقاصد	محمد طفیل احمد مصباحی	۲۰
	شخصیات		
انوارِ حیات	عاشقِ رسول حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ	مولانا ساجد علی مصباحی	۲۴
انوارِ ذات	مفتی ارشاد حسین رام پوری قدس سرہ	مولانا نفیس احمد مصباحی	۲۹
	سیاسیات		
آئینۂ عالم	یورپ اور امریکہ اسلام کی دہلیز پر	مولانا محمد رضا قادری مصباحی	۳۲
	بزمِ دانش		
فکر و نظر	فارغینِ مدارس میں داعیانہ فکر و کردار	علامہ محمد احمد مصباحی/مولانا ساجد علی مصباحی	۳۸
	ادبیات		
نقد و نظر	قمر الہدایہ فی البیعۃ والولایہ	مبصر: محمد طفیل احمد مصباحی	۴۲
خیابان حرم	منظومات	انس مسرور ترابی/ ڈاکٹر شکیل اعظمی	۴۸
	مکتوبات		
صدائے بازگشت	محمد اختر علی واجد القادری/محمد ناصر مصباحی		۴۹
	سرگرمیاں		
رودادِ چمن	الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں جشن یوم مفتیِ اعظم ہند		۵۱
عالمی خبریں	برطانیہ میں اٹھارہویں بین الاقوامی کانفرنس اور منظور شدہ قرارداد	مولانا محمد فروغ القادری	۵۳
خیر و خبر	الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے ناظمِ اعلیٰ الحاج سرفراز احمد کی والدہ محترمہ کا انتقالِ پر ملال/ احمد آباد میں جشن ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری/ جامعہ حضرت نظام الدین اولیا نئی دہلی میں اعلانِ داخلہ۔		۵۵

ادار یہ

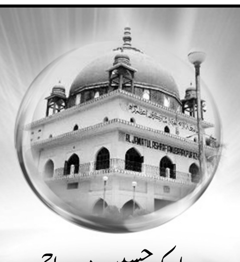

رمضان المبارک اور جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

یومِ مفتیِ اعظم ہند میں ایک علمی کتاب اور چند اہم خطابات

۷۸۸ طلبہ نے مضامین لکھے اور ۲۴؍ طلبہ نے تقریریں کیں

مبارک حسین مصباحی

بعض باتیں کبھی کبھی بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں، آج ہمیں یاد آگئے خلیفۂ اعلیٰ حضرت مفتیِ اعظم ایم پی برہانِ ملت حضرت علامہ محمد برہان الحق قادری علیہ الرحمۃ والرضوان۔ آپ نے ”حافظِ ملت نمبر“ کے لیے ایک گراں قدر تحریر ارسال فرمائی تھی۔

”عزیز العلما، نبیل الفضلا حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یادگار اور ان کے ذکرِ خیر کے حامل ان کے علمی اور عملی شاہ کار، **اولاً** تو ان کے شاگرد اور تلامذہ ہیں جن کے ذہن اور قلوب ظاہر و باطن حافظ ملت کی تعلیمات اور ان کے ارشادات اور ان کی ہدایات کا مظہر ہیں۔

دوسرا وہ مرکزِ علم، معدنِ علم، منبعِ علم ہے جو بصورتِ عمارت عظیمہ دار العلوم (جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) قائم ہے، جسے حال کے محاورے میں یونیورسٹی کہا جاتا ہے۔

اگرچہ حافظِ ملت قدس سرہ واصل رحمتِ الٰہی ہوئے اور ظاہری اعمال سے مستغنی، لیکن ارشادِ قرآن مجید ”وَّ یَحۡیٰی مَنۡ حَیَّ عَنۡۢ بَیِّنَۃٍ“ [انفال، آیت:۴۲] جس کی تفسیر اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے یوں فرمائی: ”حی عن بینۃ فکیف یموت“ وہ اپنی کھلی نشانی کے ساتھ زندۂ جاوید ہیں۔

اور حسبِ ارشادِ حدیث شریف:

إذا مات الإنسان انقطع عمله الا من ثلٰثة صدقة جارية اور علم ينتفع به او ولد صالح يدعو الله بالخير.

(ترجمہ مدیر) جب انسان دنیا سے رخصت ہوا تو اس کا سلسلہ عمل بھی ٹوٹ گیا سوائے تین چیزوں کے (۱) جاری رہنے والا صدقہ (۲) یا وہ علم جس سے فائدہ حاصل ہو (۳) یا وہ نیک لڑکا جو اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے بھلائی کی دعا کرے۔“

حضرت برہانِ ملت علیہ الرحمہ اس حدیث کی روشنی میں حضرت حافظِ ملت کی شخصیت اور ان کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”(۱) حافظ ملت علیہ الرحمہ کا صدقہ جاریہ دار العلوم اشرفیہ دیدہ زیب و دلکش تعمیر ہے۔

(۲) اور علم ینتفع بہ دار العلوم میں دین و شرع متین کی تعلیم۔

(۳) اور ولد صالح یدعو اللہ بالخیر۔ حافظِ ملت کے صاحب زادہ خصوصاً علامہ مولانا عبد الحفیظ صاحب جانشین صاحبِ سجادہ حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اولادِ علمی و روحانی شاگرد و تلامذہ ہیں۔“ (حافظِ ملت نمبر، ص:ک)

سرزمینِ جبل پور میں ۸؍ رجب المرجب ۱۳۹۸ھ کا لکھا ہوا یہ گراں قدر تاثر ہے، اس وقت ۲۰۱۴ء میں اس کو قریب ۳۷؍ برس ہو رہے ہیں، اس طویل مدت میں نہ جامعہ اشرفیہ کا نہ اندازِ فکر بدلا نہ نصابِ تعلیم۔ ہاں دن بہ دن بہتر سے بہتر کی تلاش کا سفر جاری رہا، مگر یہ سفر اسلامی اعتقادی مسائل کے حوالے سے نہیں بلکہ تعلیم و تربیت اور تعمیر و ترقی کے امور میں تبدیلیاں ہوئی ہیں، یہی وجہ ہے کہ صدفی صد علما و مشائخ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی تعلیم و تربیت پر اعتماد کرتے ہیں، اس کا اندازہ ۹؍ شوال المکرم کو داخلے کے وقت ہوتا ہے جب ہزاروں طلبہ داخلے کے ٹیسٹ میں بیٹھتے ہیں، سیکڑوں کے داخلے ہو جاتے ہیں اور سیکڑوں طلبہ ٹیسٹ میں ناکامی کے بعد واپس کر دیے جاتے ہیں۔ حضرت شاہ برہان ملت کا تعلیم و اکتساب کے حوالے سے نہ کوئی رشتہ حضرت حافظ ملت سے تھا اور نہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے، مگر حق لگتی بات کہنے میں کسی منصف مزاج کو نہ پہلے سوچنا پڑتا تھا اور نہ آج سوچنا پڑتا ہے۔ بعض حضرات شاید یہ سمجھتے ہیں کہ مصباحی علما نے حضرت حافظِ ملت اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور کو تقریروں اور تحریروں سے بڑھایا ہے، لیکن یہ زمینی سچائی

نہیں ہے، کوئی خطیب کتنا ہی فصیح و بلیغ خطاب فرمائے، مگر زمین کو آسمان نہیں بنا سکتا، اسی طرح کوئی کتنا ہی بڑا صاحبِ قلم ہو اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ وہ ۱۰؍ بیگہ کی جگہ ۱۰۰ بنا دے گا۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور حضرت حافظ ملت کے حوالے سے سیکڑوں غیر مصباحی علما اور مشائخ کی تحریریں اور تقریریں ہیں اور یہ خوب صورت سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

جشنِ یومِ مفتیِ اعظم ھند:

۲۲؍ اپریل ۲۰۱۴ء میں جامعہ اشرفیہ میں جماعتِ سابعہ کے زیرِ اہتمام حسب سابق "جشن مفتیِ اعظم ہند" کا انعقاد ہوا، اس پروگرام کے نظم و اہتمام میں اراکین و اساتذہ بھی بے پناہ دل چسپی لیتے ہیں۔ جشنِ مفتیِ اعظم ہند کے موقع پر جماعتِ سابعہ تحریری اور تقریری مقابلہ بھی کراتی ہے۔ اس پروگرام میں دس تحریری عنوانات پر ۸۸۷ طلبہ نے حصہ لیا جب کہ ۲۴؍ طلبۂ اشرفیہ نے تقریر میں حصہ لیا۔ واضح رہے کہ تقریر عربی، اردو اور انگریزی زبان میں ہوتی ہے۔ اسی طرح مضامین لکھنے کی آزادی بھی تینوں زبانوں میں ہوتی ہے۔ ہر عنوان کے تحت اول، دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو خصوصی انعامات باضابطہ مشائخ کرام کے ہاتھوں سے دلائے جاتے ہیں۔ اس جشن کا ایک خاص پروگرام رام پور یوپی کی عظیم ترین شخصیت، بلند پایہ فقیہ، عظیم ناقد و محدث حضرت علامہ مفتی محمد ارشاد حسین فاروقی مجددی (۱۲۴۸ھ/۱۳۱۱) کی شہرہ آفاق کتاب "انتصار الحق فی اکساد اباطیل معیار الحق" کا رسمِ اجرا ہونا تھا، یہ اہم فریضہ صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم العالیہ نے انجام دیا۔ اس کتاب کا ترجمہ، تسہیل اور تجدید کی خدمات چند گرامی قدر مصباحی برادران نے انجام دیں۔ جب کہ متعدّد مشائخ عظام نے تاثرات رقم فرمائے، کتاب کا گراں قدر مقدمہ، شیخ الجامعہ، صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی نے تحریر فرمایا اور مصنف کا وقیع تعارف حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے رقم فرمایا۔

کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول: مناقبِ امامِ اعظم، باب دوم: تقلید ائمہ اربعہ کا بیان۔ باب سوم: فقہ حنفی پر اعتراضات اور ان کے جوابات۔

حق و صداقت کی آواز دبانے والے فتنے ہر دور میں ظاہر ہوتے رہے ہیں، غیب داں پیغمبر نے جس فتنۂ نجد کی خبر دی تھی اس کی ایک شاخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے ذریعہ ظاہر ہوئی، اس وہابی فتنے کو خاکِ ہند میں شاہ اسماعیل دہلوی کے ذریعہ پھیلایا گیا۔ اس عہد میں ہندوستان پر حکمراں انگریز سامراج تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کی اعتقادی اور عملی گرفت کمزور کرنے کے لیے اس کو خوب فروغ دیا۔ ہندوستان میں وہابیت ہی کے بطن سے دیوبندیت اور قادیانیت جیسی جماعتیں بھی نکلیں۔ محمد بن عبد الوہاب نجدی اپنے کو حنبلی کہتا تھا مگر اس نے دوسری جانب تقلید کی مخالفت بھی کی۔ اس طرح شاہ اسماعیل دہلوی بھی خود کو حنفی کہتا تھا لیکن اس نے بھی تقلید کی مخالفت کی۔ اسی طرح ان دونوں نے اپنی اپنی کتابوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانوں میں گستاخیاں کیں اور بہت سے کفریات بکے۔ انھیں حالات میں شاہ اسماعیل دہلوی کے ماننے والوں نے غیر مقلدیت کے فروغ میں بھرپور حصہ لیا۔ نواب قطب الدین خان دہلوی نے ایک اہم کتاب "تنویر الحق" رقم فرمائی، میاں نذیر حسین دہلوی غیر مقلد نے اس کے رد میں "معیار الحق" لکھی اور پھر اس کے جواب میں حضرت علامہ مفتی ارشاد حسین مجددی رام پوری علیہ الرحمہ نے "انتصار الحق فی اکساد و اباطیل معیار الحق" لکھی، مفتی ارشاد حسین رام پوری کے قلم کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے رد میں انتہائی سنجیدگی کا مظاہرہ کیا، لب و لہجہ کا بانکپن بھی بہت سلجھا ہوا ہے۔ کتاب پڑھنے سے ایک عجیب خوشگواری کا احساس ہوتا ہے، مطالعہ کے دوران ہی دل و دماغ میں مسرت و شادمانی کا کیف طاری ہونے لگتا ہے۔ علمی موضوع ہونے کی حیثیت سے مضامین مشکل تھے، اس لیے لب و لہجہ کا انداز بھی قدرے مشکل تھا۔ مرتبین نے اس الجھاؤ کو سلجھانے کی بھی بڑی حد تک کوشش کی ہے۔ مصنف کی علمی اور روحانی حیثیت بتانے کے لیے احوالِ مصنف میں بڑی حد تک محنت کی گئی ہے۔ صدر العلما نے اس کا وقیع مقدمہ لکھا ہے۔

حضرت علامہ محمد احمد مصباحی اپنے مقدمے میں رقم طراز ہیں:

> "تنویر الحق، معیار الحق، انتصار الحق وغیرہ فروغ وہابیت و غیر مقلدیت کے پہلے دور کی نشانیاں ہیں۔ تنویر الحق نواب قطب الدین خاں دہلوی (وفات: ۱۲۸۹ھ - عمر ۶۵؍ سال) نے لکھی تھی، اس کے جواب میں غیر مقلدوں کے مجتہد مطلق اور امام و پیشوا میاں نذیر حسین دہلوی (۱۲۲۰ھ - ۱۳۲۰ھ) نے معیار الحق لکھی، اس کے جواب میں حضرت مفتی ارشاد حسین رام پوری (۱۲۴۸ھ - ۱۳۱۱ھ) علیہ الرحمہ نے انتصار الحق لکھی۔

یہ کتاب بڑی متانت اور سنجیدگی سے لکھی گئی ہے اور اپنے جوابات کی تائید میں ان کتابوں کی عبارتیں بھی پیش کی گئی ہیں جو مولف معیار کے نزدیک مستند و معتبر ہیں۔ ابتذال اور سوقیت سے مکمل پرہیز کیا گیا ہے۔ "(تقدیم علامہ محمد احمد مصباحی، ص:۴۳-۴۹)

معروف عالمِ دین مولانا محمد ادریس بستوی نائب ناظم جامعہ اشرفیہ اور مبلغ اہلِ سنت حضرت مولانا محمد عبد المبین نعمانی نے خطاب فرمایا۔ آخری اور خصوصی خطاب مناظرِ اہلِ سنت، خلیفۂ مفتیِ اعظم ہند حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمٰن مضطر نے فرمایا۔ آپ نے اپنے خطاب میں فرمایا:

"حضرات! پہلی بات تو یہ یاد رکھیے کہ میں مصباحی نہیں ہوں، میرا اشرفیہ سے کوئی ایسا رشتہ نہیں ہے جس کی بنیاد پر یہ کہا جا سکے کہ میں اس کا وفادار ہوں یا غدار ہوں، مجھے کسی ایسے رشتے سے نہ وفادار کہا جا سکتا ہے نہ غدار کہا جا سکتا ہے۔ اصولاً نہ میں میں منظری ہوں نہ مظہری، میں صرف اور صرف نوری ہوں، یعنی میں حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نسبت رکھتا ہوں۔ میں خالص اجنبی اور نیوٹرل ہوں، مگر اس کے باوجود میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ **آج الحمدللہ جامعہ اشرفیہ ہی ہماری سنیت کی آبرو ہے۔**

آج کے ماحول میں، آج کی دنیا میں بلاشبہہ بریلی شریف ہمارا مرکز ہے، مگر "مرکز کا معنیٰ اعلیٰ حضرت سے مفتیِ اعظم ہند تک ہے"۔

آپ تمام حضرات سن لیں، آج سے کئی سال پہلے کی بات ہے جب بریلی شریف میں "مفتیِ اعظم ہند سیمینار" کا انعقاد کیا گیا تھا۔ پروگرام کرنے والے خانقاہ رضویہ کے علاوہ بریلی شریف کے دوسرے حضرات تھے۔ وہیں کے لیے میں نے اپنا مقالہ لکھا تھا "مفتیِ اعظم ہند مفتیِ اعظم ہند کیوں؟" سیمینار میں شرکت کے لیے بہت سے دانش ور اور علما تشریف لائے تھے، یہ فقیر بھی حاضر ہوا، وہاں جاکر معلوم ہوا کہ سیمینار کا بائیکاٹ کیا جارہا ہے۔ جانشینِ مفتیِ اعظم حضرت ازہری میاں صاحب بریلی شریف میں نہیں تھے، باہر تھے۔ ایک ہینڈ بل جابجا چپکا دیا گیا تھا کہ اس میں شریک ہونا جائز نہیں ہے۔ ہم لوگوں نے آپس میں ایک نشست کی جس میں مولانا یٰسین اختر مصباحی، مولانا غلام یحییٰ انجم، ڈاکٹر محمود بریلوی، ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی وغیرہ کہ اب کیا ہو؟ بالآخر ہم لوگوں نے یہ طے کیا کہ ہم لوگوں کو شریک ہونا ہے۔ اس لیے کہ اگر شریک نہیں ہوئے اور سیمینار ناکام ہوتا ہے تو دنیا کہے گی، اخبار والے کہیں گے کہ مفتیِ اعظم سیمینار بریلی میں ناکام ہو گیا۔ بات کیا تھی، اس سیمینار کا زمامِ اقتدار خانقاہ والوں کو نہیں سونپا گیا تھا۔

ہم لوگ شریک ہوئے، وہاں سے واپسی کے بعد حضرت ازہری میاں کا جو اُس وقت مہمان خانہ تھا اس کی طرف جانے لگے، میرے استاذِ گرامی امامِ علم فن خواجہ مظفر حسین علیہ الرحمہ آگے آگے وہ آگے بڑھ گئے۔ میں جب جانے لگا تو موجودہ سجادہ نشیں تشریف فرما تھے، انھوں نے آواز دی: السلام علیکم مفتی صاحب۔ میں مجبور تھا، رک گیا۔ سلام کا جواب دیا گیا۔ تشریف رکھیے، چائے لاؤ جی، یہ کرو جی، وہ کرو جی، یہ سب ہوا۔ اس کے بعد انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ آپ لوگوں کے خلاف تو فتویٰ ہے، میں تو سمجھ گیا کہ کیا فتویٰ ہے۔ ہم لوگ اس میں شریک ہو کر آرہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ حضرت کن کا فتویٰ ہے ہمارے خلاف؟ تو برجستہ یہی کہا کہ مرکز کا فتویٰ ہے اور کس کا فتویٰ ہو گا۔ تو میں نے کہا کہ اعلیٰ حضرت کے زمانے میں میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا، حضور مفتیِ اعظم کی خدمت میں اتنے دن رہا، حضرت نے کبھی مجھ سے نہیں فرمایا کہ تمھارے خلاف فتویٰ ہے۔ میں نے کہا آپ بھی عجیب آدمی ہیں بتائیں گے تو آپ کہ کن کا فتویٰ ہے؟ تو انھوں نے ایک مفتی صاحب کا نام لیا، وہ اب مرحوم ہو گئے، میں نام نہیں لوں گا۔ فرمایا ان کا فتویٰ ہے تو میں نے برجستہ کہا کہ حضرت آپ بھی عجیب آدمی ہیں، میں تو ڈر گیا کہ میرے خلاف اعلیٰ حضرت کا فتویٰ یا مفتیِ اعظم کا فتویٰ ہو گا۔ سنیے "مرکز نام ہے اعلیٰ حضرت سے لے کر مفتیِ اعظم ہند تک کا"۔ اور آج یہاں سب سے بڑی شخصیت علمی، روحانی ہر اعتبار سے حضرت ازہری میاں صاحب قبلہ کی ہے۔ اعلیٰ حضرت اور مفتیِ اعظم کا فتویٰ سمجھ میں آجائے گا تو سبحان اللہ۔ نہیں سمجھ میں آئے گا تو سمجھوں گا اس کا (دماغ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) قصور ہے۔ لیکن اگر ازہری صاحب کا کوئی فتویٰ سامنے آئے گا، سمجھ میں آیا تو ٹھیک، نہ سمجھ میں آیا تو ان سے بحث کروں گا، یوں ہی نہیں مان لوں گا۔ آپ ازہری صاحب کا نہیں فلاں کا فتویٰ بتا رہے ہیں، میں ازہری صاحب کے علاوہ یہاں کسی کو قلم پکڑنے کا اہل نہیں سمجھتا، میں نے وہاں برجستہ کہا۔ میں الحمدللہ نہ منظری ہوں نہ مظہری، میں صرف نوری ہوں۔ میں نے اپنے پیر و مرشد اور استاذ حضور مفتیِ اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا۔

میرے علم میں تاریخ کا یہ پہلا باب ہے، کہیں بھی میں نے کسی کو نہیں دیکھا ایسا کرتے ہوئے کہ، اس میں لکھا جاتا ہے کہ یہاں سے کوئی محصل چندہ کے لیے نہیں جاتا، کوئی صاحب مدرسے کے لیے رقم بھیجنا چاہیں تو اس پتہ پر بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں، اور الگ سے پھر پوسٹر میں بوکس بنا کر یہ لکھا جائے کہ فلاں مدرسہ دین کی خدمت کر رہا ہے، لوگ اس کو چندہ ضرور دیں۔ یہ تاریخ میں نہ شاید کبھی پہلے پڑھا ہو گا اور نہ کہیں دیکھا ہو گا۔ اس زمانے کا کہیں کوئی پوسٹر مل جائے آپ حضرات تو دیکھیں گے کہ حضور مفتیِ اعظم ہند کے مدرسہ مظہر اسلام کا جب پوسٹر رمضان کا نکلتا تھا تو اس پوسٹر میں نیچے بوکس بنا ہوا جامعہ اشرفیہ کے لیے، حضرت کی اپیل ہوتی تھی۔ آج بھی پرانے زمانے کا پوسٹر مل جائے تو دیکھ سکتے ہیں۔ تو مظہرِ اسلام کے لیے تو

حضرت وہ لکھواتے تھے اور وہ مہتمم کی طرف سے ہوتا تھا اور یہ حضرت کی طرف سے اپیل ہوتی تھی جامعہ اشرفیہ کے لیے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ حضرت کی طرف سے اپیل ہی نہیں دعا بھی تھی اور مستقبل بینی بھی تھی، اسی کا ثمرہ آج ہمارے سامنے ہے، اس لیے میں نے پہلے ہی کہہ دیا کہ میں مصباحی نہیں ہوں، مگر مصباحی نہ ہونا کوئی عیب بھی نہیں ہے، مصباحی ہونا اگر فخر کی بات ہے تو مصباحی نہ ہونا عیب کی بات بھی نہیں ہے۔ اصل چاہیے حق بینی، حق گوئی، اصل چیز یہ ہے، حق یہ ہے کہ آج اشرفیہ پورے ہندوستان میں اہلِ سنت کی آبرو کا نام ہے۔ ایک اشرفیہ ہے جسے ہم قوم کے سامنے پیش کر سکتے ہیں، مگر افسوس کی بات ہے کہ آج آپس میں اختلاف ہو تو ٹھیک ہے، گھر کی بات گھر ہی میں رہنی چاہیے۔

بنگال میں میں گیا تو وہاں ایک مولوی صاحب کہنے لگے، حضرت! آپ کا کیا کہنا ہے، اشرفیہ پڑھنے کے لیے بچوں کو بھیجنا جائز ہے یا ناجائز؟ میں مرشد آباد کی بات کر رہا ہوں۔ وہاں بتایا گیا ہے کہ، وہاں تک یہ آواز پہنچی ہے کہ اشرفیہ گم راہ گردی کا اڈہ ہو گیا ہے۔ اشرفیہ میں بچوں کو تعلیم کے لیے بھیجنا ناجائز۔ تو کہاں بھیجا جائے بھائی۔ آپ کے یہاں اگر بھیج دیا جائے تو یہ سارے طلبہ آپ کے یہاں کھڑے نہیں ہو پائیں گے اتنی جگہ نہیں پڑھنا اور رہنا تو بڑی بات ہے، تو آخر کہاں بھیجا جائے ان طلبہ کو۔ جہاں کی بات ہے وہاں رہنی چاہیے۔ ان جاہلوں تک جہاں کے لوگ اردو بولنا نہیں جانتے نہ اردو سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو راہِ مستقیم پر قائم رکھے اور حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

۲۲؍ اپریل ۲۰۱۴ء کو خطاب فرمانے والی شخصیت کوئی معمولی نہیں ہے۔ یہ وہ عظیم شخصیت ہے جس نے اہلِ سنت کی فلاح و کامرانی کے لیے کثیر مناظرے فرمائے، درجنوں تحریریں لکھیں، یہ اپنے عہد کے بلند پایہ محقق اور مدرسِ اعلیٰ ہیں۔ معقولات و منقولات کا ان میں حسین امتزاج پایا جاتا ہے، عہدِ حاضر کے مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں، یہ اپنے دور کے عظیم فقیہ ہیں، عرصۂ دراز تک سرکار مفتیِ اعظم ہند کے ساتھ رہے، ان سے استفادہ کیا۔ حضرت مفتی مطیع الرحمٰن مضطرؔ بلا شبہہ آج اہلِ سنت و جماعت کے عظیم اور مستحکم ستون ہیں۔

رمضان المبارک اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور

یہ رسالہ جب آپ کے ہاتھوں میں پہنچے گا تو ہر طرف رمضان المبارک کی بہاروں کا موسم بن رہا ہوگا۔ اس ماہِ مبارک کی برکات و حسنات ہر آبادی میں حاصل کی جاتی ہیں۔ دنیا بھر کے مسلمان عبادت و ریاضت اور تلاوتِ قرآن عظیم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس ماہ مبارک کی خصوصیت یہ ہے کہ عام طور پر مسلمان اس میں زکوٰۃ و خیرات بھی نکالتے ہیں، بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس ماہ کی برکتوں کا انتظار کرتے ہیں، ہندوستان میں بلا شبہہ بہت سے دینی مدارس ہیں جو اپنے اپنے حلقوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کی خدمات کو قبول فرمائے۔

اس وقت ہمیں کہنا یہ ہے کہ ہندوستان کی سب سے عظیم ترین درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور ہے، اس کی خدمات کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے، **امسال تعلیمی بجٹ پانچ کروڑ بیس لاکھ اور پندرہ ہزار روپے ہے، جب کہ تعمیری اخراجات بھی بہت وسیع ہیں،** دن بہ دن نت نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں، ضرورت بڑھ رہی ہے، مہنگائی آسمان چھو رہی ہے، زندگی کے ہر پہلو پر نت نئے تقاضے آواز دے رہے ہیں، اس لیے آپ سے ہماری گزارش ہے کہ آپ اس کی جانب خصوصی توجہ فرمائیں۔ اس وقت جامعہ اشرفیہ میں طلبہ اور طالبات کی تعداد گیارہ ہزار سے بھی زائد ہے، جب کہ مختلف شعبوں میں اساتذہ اور دیگر ملازمین کی تعداد لگ بھگ ساڑھے تین سو ہے۔ ادارے میں کثیر شعبے ہیں۔ درجۂ حفظ و قراءۃ، قراءۃ سبعہ، مولویت، عالمیت، فضیلت، اسی طرح تخصص کے بھی متعدّد شعبے ہیں۔ عربی ادب، معقولات، علوم اسلامیہ، حدیث، فقہ، مطالعہ ادیان۔ اسی طرح عصری علوم کے بھی متعدّد شعبے ہیں۔ پرائمری، ہائی اسکول، انٹر کالج۔ حافظ ملت انسٹیٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، شارح بخاری دار الافتا، مجلس شرعی، مجلس برکات، ماہ نامہ اشرفیہ، امام احمد رضا لائبریری، اشرفیہ ہاسپیٹل، احسن العلما ڈائننگ ہال، عزیز المساجد وغیرہ۔

ان تمام شعبوں کے کثیر اخراجات ہیں۔ مزید مختلف جہتوں میں تعمیری ترقیات کا سلسلہ بھی جاری ہے جن میں کثیر افراد مسلسل مصروفِ عمل رہتے ہیں، کوئی بھی ادارہ ہو یا تحریک دن بہ دن اس میں ھل من مزید کی دلکش صدائیں گونجتی رہتی ہیں۔ ہم اس بار رمضان المبارک کے مقدس موقع پر آپ حضرات سے چند اپیلیں کر رہے ہیں، ہمیں بھرپور یقین ہے کہ آپ ان باتوں پر توجہ فرمائیں گے۔

(۱) رمضان المبارک کا احترام پوری دنیا میں کیا جاتا ہے، اس مقدس مہینے میں دنیا کے مسلمان بطور خاص عبادت و ریاضت میں مصروف ہوتے ہیں، اور مسلمان اس مہینے میں زکوٰۃ و خیرات کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ ایک بندۂ مومن پر زکوٰۃ دینا بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز،

روزہ اور حج فرض ہیں۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے بھی سفرا نکلتے ہیں، لیکن مسلمانوں کی اس بڑی دنیا میں ہر مقام اور ہر مسلمان تک ان کا پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے آپ حضرات سے گزارش ہے، اپنی رقوم برائے اشرفیہ سفرا کو دیں اور اگر ہمارے سفرا آپ تک نہ پہنچ سکیں تو بینک یا منی آرڈر یا نیٹ سروس کے ذریعہ بھیج دیں۔

(۲) اشرفیہ ہاسپٹل ۶/ دسمبر ۲۰۱۰ء میں قائم ہوا۔ اپنی استطاعت کے مطابق کام کر رہا ہے۔ اس وقت اس میں ۲۰/ افراد کا اسٹاف ہے۔ ہاسپٹل میں گاہے بگاہے مفت علاج بھی ہوتا ہے۔ اس میں درج ذیل سامان کی شدید ضرورت ہے:

سی آرم (See Arm)، ایمبولینس (Ambulance)، او ٹی ٹیبل (OT Table)، او ٹی لائٹ (OT Light)، سکشن مشین (Suction Machine)، آٹو کلیو (Auto Clave)، کاٹری (Cotry)، مائکرو اسکوپ (Microscope)، سرجیکل انسٹرومینٹ (Surgical Instrument)، ۲۵ بیڈ (25 Bed)، ڈیجیٹل ایکس رے مشین (Digital X-Ray Machine)، بائلس ٹرالی (Boils Trolly)، آکسیجن سلنڈر (Oxygen Sylendor)، او ٹی اے سی (OT AC)۔

(۳) احسن العلما ڈائننگ ہال۔ یہ ایک وسیع عمارت ہے، اس میں سردست قریب پندرہ سو طلبہ کے طعام کا انتظام ہے۔ یہ ایک بڑا خرچ ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس میں حسب ذیل تفصیل کے مطابق تعاون فرمائیں۔ یومیہ خرچ ۳۵/ ہزار روپے۔ ہفتہ وارانہ خرچ دو لاکھ پینتالیس ہزار (۲۴۵۰۰۰) روپے، ماہانہ خرچ دس لاکھ پچاس ہزار روپے (۱۰۵۰۰۰۰)۔ اور سالانہ خرچ ایک کروڑ پانچ لاکھ روپے ہے۔ طالبانِ علومِ نبویہ کی خدمت کرنا بڑے ثواب کا کام ہے۔ اگر انفرادی طور پر یہ ممکن نہ ہو تو اپنے احباب سے تعاون لے کر تعاون کریں۔

(۴) جامعہ اشرفیہ میں سال بھر تعمیری کام جاری رہتا ہے، اس وقت طالبانِ علومِ نبویہ کے لیے ایک ہاسٹل کی شدید ضرورت ہے، اس کا نقشہ بن چکا ہے۔ ایک کمرے کا تخمینہ ۲/ لاکھ روپے ہے۔ آپ حضرات اس کی جانب بھرپور توجہ فرمائیں۔ آپ اپنی جانب سے یا اپنے اعزہ و اقارب کی جانب سے ایک یا چند کمرے تعمیر کرا سکتے ہیں۔

(۵) عزیز المساجد۔ یہ جامعہ کے صحن میں ایک پرشکوہ مسجد ہے۔ اس کا تعمیری کام اس وقت رک گیا ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ ذمہ داروں سے رابطہ کر کے اس کے تعاون کی راہ بھی نکالیں۔ واضح رہے کہ عوامی چندے سے تعمیر ہونے والی یہ ملک کی سب سے بڑی مسجد ہے۔

ہم آخر میں امداد کرنے اور کرانے کے طریقے نوٹ کرتے ہیں:

DONATION

You can make donation by cheque, draft or by online in the name of –

(For Education)

(1) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Union Bank of India- A/C 303002010021745
IFSC Code UBIN0530301, Branch Code-530301

(2) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Oriental Bank Of Commerce- A/C 05752010021920
IFSC Code ORBC 0100575, SWIFT Code. ORBCINBBIBD

(For construction)

(1) Aljamiatul Ashrafia- **Union Bank of India- A/C 303002010021744**
(2) Aljamiatul Ashrafia- **Oriental Bank Of Commerce- A/C 05752010021910**

(1) Exempted u/s 80G, (5) (VI), of Income Tax Act. 1961, Vide File No. Aa,Ayukt/Gkp/80G, Regd.S.No. 178/2011-12 Dt. 30/8/2011 w.e.f.A.Y.2012-13 (F.Y.2011-12)
(2) Exempted u/s 12A, Vide Letter No. 177/2011-12
(3) FCRA. Registration No.-136250051 (4) Nature:- Educational Social

Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Oriental Bank Of Commerce- A/C 05752010031950
IFSC Code ORBC 0100575, SWIFT Code. ORBCINBBIBD

فقہی تحقیق

تقدیر اوقات

مولانا شمس الہدیٰ مصباحی

تقدیر کا معنی : اندازہ کرنا، تخمینہ کرنا، مقدار متعیّن کرنا، قیاس کرنا، اسٹیمیٹ کرنا، تحقیق کے مقابل تقدیر یعنی فرض کر لینا، مان لینا جیساکہ لفظ عمر میں 'عدل' تقدیری ہے۔ قسمت، نصیب، بخت

تقدیر فی الصلاۃ: ا۔ وقت فرض کر لینا کیوں کہ جب قضاء عشا کو واجب قرار دیں گے اور وقت جو سبب وجوب نماز ہے، ہم کو نہیں ملا۔ لہذا وقت کو وہاں مان لیا گیا تاکہ سبب وجوب متحقق ہو جیساکہ لفظ 'عمر' میں عدل مان لیا گیا کیوں کہ اسے عرب میں غیر منصرف پڑھا جاتا ہے۔ اور اسباب منع صرف سے صرف علمیت اسکے اندر ہے اور غیر منصرف کے لیے دو سبب در کار ہے پس دوسرا سبب عدل فرض کر لیا گیا۔

" انه يجب قضاء العشاء بأن يقدر أن الوقت أعنى سبب الوجوب قد وجد كما يقدر وجوده فى ايام الدجال على ما يأتى لأنه لا يجب بدون السبب و لا نسلم لزوم وجود السبب حقيقة " (رد المحتار ١/٢٦٦)

اسی کو امام طحطاوی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا

" دليل التقدير مشرق" (حاشية الدر ١/١٧٧)

۲۔ دو نمازوں کے دورانیہ کی مقدار کا اندازہ کرکے نماز پڑھیں مثلاً عصر و مغرب کے درمیان ڈیڑھ گھنٹہ کا فاصلہ عام دنوں میں تھا تو ان مخصوص ایام میں بھی ایسا ہی کریں یعنی ۲۴ گھنٹے میں ۵ نمازیں ادا کی جائیں۔ (حاشية طحطاوى على الدر ١/١٧٥ وغيره)

۳۔ تقدير بأقرب البلاد كما هو عند الشافعية مثلاً سال کے اطول دن میں دیکھیں کہ قریبی ملک میں غروب آفتاب کے ۲ گھنٹہ بعد غروب شفق ہو رہا ہے تو منزل مطلوب میں بھی ۲ گھنٹہ بعدِ غروب شمس، وقت عشا ہے۔ گو کہ یہاں ایک گھنٹہ بعد سورج طلوع کر آیا ہے۔ (ايضاً، تحفة المحتاج ج ٤ ص ٣٧٣)

خاتم الفقہا علامہ شامی نے بڑی شرح و بسط سے تقدیر شافعیۃ کے اس معنی کو باطل و عاطل قرار دیا ہے۔ دیکھو رد المحتار ج ا ص ۲۶۸

۴۔ تقدير بأقرب الأيام و الليالى، سب سے قریب تر دن، جس میں وقت پایا گیا وہی وقت ان دنوں میں بھی مان لیں جن میں وقت نہ ملا۔ (ناظورة الحق ١٨٩ ص)

تقدیر فی الصوم: اس بارے میں حاشیۃ الدر امام طحطاوی تک کتب متداولہ حنفیہ کے اندر تقدیر کا کہیں ذکر نہیں اسی لیے تو امام طحطاوی حنفی نے فرمایا "لم أر التقدير لأئمتنا" (حاشية الدر ١/١٧٥)

نیز علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا :

"لم أر من تعرض عندنا لحكم صومهم فيما اذا كان يطلع الفجر عندهم كما تغيب الشمس أو بعده بزمان لا يقدر فيه الصائم على أكل مايقيم بنيته " (ردالمحتار ج ا ص ۳۶۶ بیروت)

ترجمہ: امام سید احمد طحطاوی علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا: تقدیر کے سلسلہ میں اپنے ائمہ میں کسی کا کوئی قول میرے علم میں نہیں ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ جہاں سورج ڈوبتے ہی فجر نمودار ہو جائے یا اتنے مختصر وقت کے بعد فجر طلوع کر آئے کہ روزہ دار اتنا کھانا کھانے پر بھی قادر نہ ہو جس سے اس کی جسمانی ساخت برقرار رہ سکے، میں نے احناف میں کسی کو نہیں دیکھا کہ جنھوں نے ایسے مقام کے روزہ کا حکم بیان کیا ہو۔ امام طحطاوی مزید فرماتے ہیں:

"و حيث يطلع الفجر قبل مغيب الشفق الأحمر أنهم فى الصوم فى مدة الليل يأكلون فيها اما مرة واحدة أو مرتين بفاصل يسير قبل ظهور الفجر. " (حاشية على الدر ١/١٧٧)

ترجمہ: جہاں شفق احمر غروب ہونے سے قبل ہی فجر طلوع کر آتی ہے وہاں لوگ ظہور فجر سے پہلے پہلے ماہ صوم کی رات میں ایک بار یا معمولی سے توقف کے بعد دو بار کھانا کھاتے ہیں۔

ہاں شافعیۃ کے یہاں روزہ میں تقدیر کا قول ہے مگر اس کا اطلاق خاص عرض البلد پر ہوتا ہے جیساکہ تفصیل درج ذیل ہے۔

شافعیہ کے یہاں تقدیر فی الصوم کے معانی حسب ذیل ہیں

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
Sh_khan786@yahoo.com

۱۔ اقرب البلاد سے اندازہ کر کے سحری و افطار کا ٹائم مقرر کریں گے اور وہ بھی اس وقت تقدیر کرنا درست ہوگا جب اتنا بھی کھانا کھانے کا وقت رات میں نہیں ملتا جو صائم کو ہلاکت سے بچا سکے۔ تب بقدر ضرورت، وقت مقدر مان کر بقدر حاجت کھا، پی لیں حتیٰ کہ اگر رات کا اتنا قلیل وقت ملا کہ یا تو چند لقمے کھائے یا نماز مغرب ادا کرے ورنہ فجر طلوع ہو جائے گی تو بھی تقدیر کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس قلیل وقت میں کھانا کھائے اور نماز مغرب کی قضا کرے۔

" و كذا يقدرون فى الصوم ليلهم بأقرب بلد يليهم ثم يمسكون الى الغروب بأقرب بلد اليهم على ما قاله الزركشى و ابن العماد و قال ابن حجر و محله ما لم يكن مدة ليلهم تسع أكل ما يقيم بنية الصائم و الّا تعين أكلهم فيه و ان قصر و لو لم يسع الّا قدر المغرب أو أكل الصائم قدّم الأكل و قضى المغرب فيما يظهر اه "

(حاشية نهاية المحتاج ، حاشية تحفة المحتاج ٤ /٣٧٧ ، حاشية الدر ١ /١٧٥ ، ردالمحتار ١ /٢٦٩)

اور یہاں یو۔کے و یورپ کے اکثر مقامات میں تو اچھا خاصا وقت رات میں کھانے کے لیے میسر ہے۔ لہٰذا بقول شافعیہ بھی یہ مقامات تقدیر کے محل نہیں ہیں۔ جب کہ مذہب شافعیہ ہم احناف کے لیے حجت بھی نہیں ہے۔

"واما مذهب الشافعية فلا يقضى على مذهبنا "

(ردالمحتار ١ /٢٦٧)

۲۔ احناف میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ پہلے عالم ہیں جنھوں نے باب صوم میں تقدیر کا ذکر کیا ہے مگر یہ تقدیر دو قیدوں سے مقید ہے۔ اول، سورج غروب ہوتے ہی فجر طلوع کر آئے۔ دوم، غروب آفتاب کے بعد ہی صبح نمودار نہ ہو لیکن ہلاکت سے نجات کی مقدار بھی کھانا کھانے کا وقت میسر نہ ہو۔ ایسی جگہ کے لیے علامہ شامی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تین حل پیش فرمایا ہے: اول، اقرب البلاد سے تقدیر كما هو عند الشافعية۔ دوم، تقدیر بمعنی اتنی دیر کے لیے رات مان لی جائے کہ کچھ کھا پی سکیں۔ سوم، روزہ کی قضا کی جائے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے اسی تیسرے حل کو راجح قرار دیا ہے فرماتے ہیں: اقول ؛ هو الفقه اذ اباحة الأكل للصائم بعد طلوع الفجر قصداً غير معهود فى الشرع ثم فيه جمع شئى مع المنافى (جدالممتار ٢ /٥٠).

ترجمہ: فقہ کی رو سے روزہ قضا کرنے کا حکم ہے کیوں کہ شریعت میں روزہ دار کے لیے بعد طلوع فجر قصداً کھانے کا جواز نہیں ہے۔ پھر اس میں ایک چیز کا اس کے منافی وضد کے ساتھ جمع کرنا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی یو۔کے اور یورپ کے اکثر علاقوں میں تقدیر کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ کیوں کہ غروب آفتاب کے بعد یہاں کھانے کے لیے کافی وقت مل جاتا ہے۔ جیسا کہ فقیر اور اس کے احباب علمائے کرام و عوام اہل سنت کا عمل بھی ہے اور مشاہدات بھی یہی ہیں۔

حدیث دجال: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اقدس ﷺ سے دریافت کیا کہ دجال زمین میں کتنا عرصہ ٹھہرے گا؟ فرمایا: چالیس دن جس میں ایک دن سال بھر کا اور ایک دن ماہ برابر اور ایک دن ہفتہ کی مقدار اور بقیہ ایام عام دنوں کی طرح ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کیا سال کی مقدار والے دن میں ایک دن کی نمازیں پڑھنی کافی ہوگی؟ ارشاد فرمایا: نہیں۔ بلکہ اندازہ کر کے نمازیں ادا کرو گے۔ (رواہ مسلم و ابو داؤد و الترمذی عن النواس بن سمعان الکلابی)

یہاں یو۔کے اور یورپ کے اکثر مقامات پر نماز اور سحری کے ٹائم کی دشواری جو گرمیوں میں ہے اس کا حل اس حدیث دجال پر قیاس کر کے نکالنے کی سبیل بالکل نہیں ہے حتیٰ کہ حضرات شوافع کے نزدیک بھی روزہ کے باب میں حدیث دجال پر قیاس کرنے کی راہ نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ نور الدین شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

" و ليس هذا حينئذ كايام الدجال لوجود الليل هنا و ان قصر " (حاشية تحفة المحتاج ٤ /٣٧٧)

اکابر حنفیہ و مالکیہ و شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ حدیث دجال کا حکم صرف روز قیامت کے ساتھ مخصوص ہے۔ دیکھیے شرح الامام النووی الشافعی لصحيح مسلم ٢ /٤٠١ ، مرقاة المفاتيح للقارى الحنفى ٩ / ٣٨٣ قاله عياض المالكى رحمهم الله تعالى

سید المکاشفین ابن العربی المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان الشمس تطلع و تغرب فى تلك الأيام كعادتها و لكن يكون بالنهار غمام و با لليل ضوء فيشتبه الوقتان و يظن ان النهار مستمر و ليس كذالك

یعنی ایام دجال میں سورج کا طلوع و غروب اپنی عادت پر ہوتا رہے گا۔ مگر دجال کی ملمع سازی سے دن، رات کا آنا جانا معلوم نہ ہو پائے گا۔ (جد الممتار ۲/۲۶۳ طبع عرب امارات)

برخلاف ان بلاد کے، کہ یہاں کچھ ایام کے اندر وقت عشا سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ خاتم الفقہا شامی اور امام سید طحطاوی وغیرہما فقہائے حنفیہ نے حدیث دجال پر قیاس کرنے کا شدومد سے رد فرمایا ہے۔ اولاً وضع اسباب میں قیاس کا کوئی دخل نہیں۔ ثانیاً حدیث دجال خلاف قیاس ہے۔ لہٰذا وہ مورد نص تک ہی محدود رہے گی۔ اس پر قیاس کی کوئی سبیل نہیں۔

ثالثاً ایام دجال میں اوقات تقدیراً موجود ہیں اور یہاں وقت عشا کا وجود ہی نہیں پس قیاس کی علت مشترکہ موجود نہیں ہے۔

"وقیاسه علی یوم الدجال لا یصح اذ لا مدخل للقیاس فی وضع الاسباب و ایضاً لا یکون القیاس علی أمر یخالف القیاس وحدیث الدجال خالف القیاس فلا یقاس غیره علیه حتی قال عیاض لو وکلنا لاجتهادنا لا کتفینا با لصلوات الخمس. اھ علی ان الأوقات موجودة فی أجزاء ذالك الزمان تقدیراً بحکم الشارع و لا کذالك هنا فلا مساواة حتی یقاس أحد هما علی الأخر الخ (حاشیة الطحطاوی علی الدر ۱/۱۷۶)

نیز علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے تنویر الأبصار کی عبارت " و فاقد وقتهما مکلف بهما فیقدر لهما "کی شرح میں ارشاد فرمایا:

قلت و لا یساعده حدیث الدجال لأنه و ان وجب اکثر من ثلثمائة ظهر مثلا قبل الزوال، لیس کمسئلتنا لأن المفقود فیه العلامه لا الزمان و اما فیها فقد فقد الأمران"

(در مختار، بیروت ۱/۳۶۵)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ بلغار وغیرہ کے لیے حدیث دجال پر قیاس کرنا درست نہیں اگرچہ قبل زوال تین سو سے زائد نماز ظہر واجب ہونا لازم آتا ہے کیوں کہ ایام دجال کا معاملہ ہمارے مسئلہ کی طرح نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہاں صرف علامت مفقود ہے اور وقت کا وجود ہے لیکن یہاں علامت اور وقت دونوں مفقود ہیں۔

اور احسن التقویم ۱۴۴۱ھ میں تو حد کردی کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالی کی عبارت نقل فرمائی

"لم أر من تعرض عندنا لحکم صومهم فیما اذا کان یطلع الفجر عندهم کما تغیب الشمس أو بعده بزمان لا یقدر فیه الصائم علی أكل مایقیم بنیته الخ (۱/۳۶۶ طبع بیروت)

اور ترجمہ بالکل جداگانہ اپنے مقصد کے مطابق کرلیا۔ فرماتے ہیں "یعنی جہاں مغیب شفق سے قبل فجر طلوع کر آئے یا مغیب شفق کے بعد روزہ دار کے کھانا کھانے کے وقت سے پہلے ہی فجر طلوع کر آئے الخ" یعنی شمس بمعنی شفق لیا گیا ہے اور عربی جملے کے مفہوم کو کئی جہت سے مسخ کر کے رکھ دیا ہے اور یہ معاملہ اس سے بھی عجیب تر ہے کہ ایک صاحب حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے عدل وانصاف کے موضوع پر کلام فرما رہے تھے درمیان گفتگو زور دے کر فرمایا کہ جناب عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کا عدل اتنا عام و تام ہے اور مشہور و معروف ہے کہ نحویوں نے بحث غیر منصرف میں بڑے اہتمام کے ساتھ لفظ 'عمر' کا ذکر کیا اور لکھا کہ 'عمر' اس لیے غیر منصرف ہے کہ اس میں علمیت اور عدل موجود ہے۔

جب کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا سیدھا سادہ ترجمہ یہ ہے کہ جہاں سورج غروب ہوتے ہی یا اتنی دیر بعد کہ روزہ دار جسم کی ساخت کی بقا کی مقدار بھی کھانا نہ کھا سکے کہ فجر نمودار ہو جاتی ہے۔ مجھے علم نہیں کہ ایسی جگہ کے باشندوں کے روزہ کا حکم کسی حنفی نے بتایا ہو۔ اور باعث ہلاکت ہونے کی بنا پر ان کے لیے پے در پے روزہ کے وجوب کا قول کرنا ممکن نہیں ہے۔

پس اگر ان پر وجوب صوم کا قول کریں تو تقدیر کا قول لازمی طور پر ماننا پڑے گا۔ اب اقرب البلاد سے اندازہ کرکے ان کی رات مانیں جیسا کہ شافعیہ اس کے قائل ہیں یا بقدر ضرورت کھانے پینے کی مقدار، وقت سحری فرض کرلیں یا ان حضرات پر صرف قضا واجب ہے۔ ان تینوں کا احتمال ہے لہٰذا غور کریں الخ

گو کہ فقیہ اعظم مجدد اعظم محدث بریلوی قدس سرہ نے تیسرے احتمال کو راجح قرار دیا اور دلائل سے اسے مبرہن فرمایا۔ درج ذیل عبارت پڑھئے اور دل و دماغ کو روشن کیجیے۔

' اقول : هو الفقه اذ اباحة الأكل للصائم بعد طلوع الفجر قصداً غیر معهود فی الشرع ثم فیه جمع شئی مع المنافی' (جد الممتار ۲/۲۶۵ طبع دار الفقیه عرب امارات)

اور یہ بات واضح رہنا چاہیے کہ علامہ شامی کی درج بالا عبارت کا تعلق یہاں یو۔کے وغیرہ بلاد کے لیے قطعاً نہیں ہے جیسا کہ گزرا۔

باقی آئندہ..

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

افطار کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل میں:
ماہِ رمضان میں افطار کرتے وقت اذان کا جواب دینا یا اذان کے وقت کھانا پینا درست ہے یا نہیں، نیز افطار کرنے میں دیر کرنا جس کی وجہ سے نماز میں بھی دیر ہو جائے گی، جائز ہے یا نہیں؟

زید نے تاخیر نہ ہونے کی ایک صورت نکالی ہے، وہ یہ کہ پہلے افطار کا اعلان ہو جائے، لوگ افطار کر لیں پھر اذان ہو اس کے بعد نماز پڑھیں۔ اس پر لوگوں نے اعتراض کیا اور ایک صاحب بولے یہ شیعہ کی مشابہت ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مناسب و افضل عمل کیا ہے؟ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں جواب سے ہمیں آگاہ کیا جائے تاکہ جو صحیح ہو اس پر عمل کریں۔

الجواب

جب افطار کا وقت ہو جائے تو ایک کھجور کھا کر کچھ پانی پی لے اور اگر اذان کا انتظار ہو تو صرف ایک گھونٹ پانی پی کر افطار کر لے، پھر اذان کا جواب دے، اس کے بعد پانچ چھ منٹ تک کچھ کھا کر نمازِ مغرب کی جماعت میں شریک ہو، کھانے کی خواہش ہو تو جماعت میں تھوڑی تاخیر کی جا سکتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ اذان میں تاخیر نہ کرے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

صحنِ مسجد میں قبر نکلی، اب اس پر نماز کا حکم کیا ہوگا؟

کیا فرماتے ہیں علماے دین مسئلۂ ذیل میں کہ:
ایک مسجد جس میں سیکڑوں سال سے نماز ہوتی آرہی ہے، جس کی خستہ حالی کے پیشِ نظر از سرِ نو تعمیر کا کام شروع ہوا، صحن میں بنیاد کی کھدائی کے درمیان تقریباً دس فٹ نیچے ایک قبر نکلی جس میں نعش کی کچھ علامات، ہڈیاں وغیرہ کنکال کی شکل میں پائی گئیں۔
دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ جگہ برسوں سے نماز ہوتی آرہی ہے، اب جب کہ ایک قبر دریافت ہو چکی ہے تو اس کے اوپر صحن میں ماقبل کی طرح نماز و سجدہ کا سلسلہ جاری رکھا جا سکتا ہے یا نہیں۔
شریعت کی روشنی میں مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب

قبر کے ارد گرد دیوار کھڑی کریں جو قبر سے کچھ اونچی ہو، پھر اس پر چھت ڈھالیں، اس کے بعد اسے فرش مسجد وغیرہ میں شامل کر کے اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں کہ یہ قبر کی چھت پر نماز پڑھنا ہوا نہ کہ قبر پر۔ چاہِ زم زم شریف اور مطاف کے درمیان بہت سے انبیاے کرام کی قبور ہیں اور ان کی چھت پر طواف ہوتا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے گھر کے نچلے حصے میں قرآن پاک ہو اور اس کی چھت پر چلا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

موبائل اور فون پر نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرع متین امورِ ذیل کے بارے میں:

(۱) کیا زید ہندہ کی موجودگی میں نکاحِ ثانی کرنے کے لیے اس کی اجازت کا محتاج ہے۔

(۲) فون پر کیا جانے والا نکاح جس کی صورت یہ ہو کہ لڑکے کے پاس دو گواہ ہوں اور لڑکی تنہا بند کمرے میں فون پر ایجاب یا قبول کر رہی ہو، گواہان جو لڑکے کے پاس ہیں، لڑکی کی آواز کو فون پر سن بھی رہے ہوں اور پہچان بھی رہے ہوں، بعدۂ لڑکی اس نکاح کا اقرار بھی کر رہی ہو، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح کیا ہوا نکاح شرعاً معتبر ہوگا؟

(۳) کیا بالغ لڑکیاں نکاح کے لیے اپنے ولی کی اجازت کی محتاج ہیں، بلا اجازتِ ولی ان کا کیا ہوا نکاح غیر معتبر ہوگا؟

(۴) بعض لڑکیاں اپنے والدین کی مرضی کے بغیر معاشقہ کر کے کورٹ میں مجسٹریٹ کے سامنے نکاح کرتی ہیں، کیا ایسا نکاح بھی شرعاً معتبر ہے۔

(۵) اگر کوئی لڑکی قرآن شریف ہاتھ میں لے کر یہ کہے کہ میں نے فلاں سے نکاح کر لیا ہے تو کیا ایسی صورت میں اولیا کے لیے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ بلا طلاق وعدت اس لڑکی کا نکاح کسی اور سے کر دیں۔ امید کہ بعجلت جواب باصواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب

(۱) سائل کو صاف صاف لکھنا چاہیے تھا کہ زید سے ہندہ کا رشتہ کیا ہے، کہ جب تک رشتہ نہ معلوم ہو اس کا حکم نہیں بیان کیا جا سکتا۔ قرآن پاک میں مطلقًا ارشاد فرمایا گیا:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ. (الآیۃ ۳/النساء-۴)

اس لیے اگر کوئی دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اس کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا شرط نہیں، ہاں خوشگوار زندگی اور بیوی کی خوشی کے لیے اس سے اجازت لینی چاہیے۔

واضح ہو کہ اگر پہلی اور دوسری بیوی میں کوئی قریبی رشتہ ہو، مثلاً دونوں بہنیں ہوں تو یہ نکاح حرام ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ. واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) یہ نکاح شرعًا صحیح نہیں، فتاویٰ عالم گیری میں شرط نکاح کی بحث میں ہے:

"(ومنها) أن يكون الإيجاب والقبول في مجلس واحد حتىٰ لو اختلف المجلس بان كانا حاضرين فأوجب أحدهما فقام الآخر عن المجلس قبل القبول أو اشتغل بعمل يوجب اختلاف المجلس لا ينعقد وكذا اذا كان أحدهما غائبا لم ينعقد حتىٰ لو قالت امرأة بحضرة شاهدين زوجت نفسى من فلان وهو غائب فبلغه الخبر فقال قبلت أو قال رجل بحضرة شاهدين تزوجت فلانة وهى غائبة فبلغها الخبر فقالت زوجت نفسى منه لم يجز وإن كان القبول بحضرة ذينك الشاهدين وهذا قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ." اھ

(فتاویٰ عالم گیری، ص: ۲۶۹، ج: ۱، کتاب النکاح)

اس مسئلے کی پوری تحقیق ہمارے بعض فتاویٰ میں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) لڑکیوں کو اپنے ماں باپ کی رضا اور پسند کا احترام کرنا چاہیے، اس کے برخلاف اقدام نامناسب ہے تاہم اگر کوئی لڑکی عاقلہ بالغہ اپنی مرضی سے رشتے کا انتخاب کرے، لڑکا کفو ہو، اس کے ساتھ اس کا نکاح اولیا کے لیے باعثِ ننگ وعار نہ ہو اور نکاح ایجاب وقبول کے ساتھ شرعی گواہوں کی موجودگی میں ہو تو نکاح ہمارے ائمۂ کرام و مشائخِ عظام کے نزدیک منعقد وصحیح ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) جواب نمبر ۳ کے مطابق اگر تمام ضروری امور کی رعایت کی گئی ہو تو نکاح کے انعقاد وصحت کا حکم ہوگا اور اگر نکاح کا ایجاب وقبول نہ ہو یا وہاں شرعی گواہ نہ ہوں یا نکاح بدمذہب یا غیر مذہب کے ساتھ ہو تو نکاح نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اجنبی لڑکے اور لڑکی کا باہمی یارانہ یا معاشقہ جائز نہیں اور بدکاری تو سخت حرام وگناہ ہے، ماں باپ پر واجب ہے کہ اپنی اولاد کو بے جا تعلقات سے بچائیں۔ قرآن پاک میں ہے:

قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا. واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) مذہبِ اسلام میں مدعی پر حلف نہیں، بلکہ اپنے دعوے پر شرعی گواہ کے ذریعہ ثبوت پیش کرنا ہے اور جو دعوے سے منکر ہو اس پر قسم ہے، حدیث پاک میں ہے:

البينة على المدعى واليمين على من أنكره"

اس لیے اگر لڑکی دعویٰ کرتی ہے کہ اس نے فلاں سے نکاح کر لیا ہے تو وہ اپنے اس دعوے پر شرعی گواہ پیش کرے۔ آخر نکاح کے لیے گواہ تو ضروری ہیں، تو جن گواہوں کی موجودگی میں اس نے نکاح کیا ہے ان کا نام اور پتہ بتائے اور قاضی شریعت کے یہاں حاضر کرے، یہ مسئلہ دار القضا کا ہے، قاضی جو فیصلہ صادر کرے اس پر دونوں فریق عمل کریں اور قاضی کے فیصلہ سے پہلے نکاح نہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

------☆☆☆☆------

عہدِ حاضر میں ہندی زبان وادب کا فروغ ہو رہا ہے، اس لیے دینی، مذہبی اور تاریخ وسیر پر مشتمل مضامین سے آراستہ یہ رسالہ چند ماہ سے جاری ہے۔ نام "**ماہنامہ احساس**" ہے۔ مزید تفصیل کے لیے آپ حسب ذیل ایڈریس پر رابطہ قائم کریں۔

چیف ایڈیٹر: خالد ایوب مصباحی   ایڈیٹر: عبد الرحمٰن قادری

ہیڈ آفس: سنی دار الافتا، مرکز سنی دعوت اسلامی، پہاڑ گنج، سوج پول، جے پور

khalidayyoob@gmail.com

ahsasmonthly@gmail.com

سچے مجاہد ہیں امریکہ اسرائیل اور یورپ

مولانا محمد اسحاق مصباحی

آپ اس عنوان سے تعجب، حیرت اور تلاش وجستجو میں مبتلا ہوں گے۔ امریکہ کیسے جہاد کر سکتا ہے۔ اسرائیل مسلمانوں کے مخالف اور یورپین ممالک کیوں جہاد کریں گے۔ مگر میں نے گزشتہ ۲۵؍ سالوں سے بھی زیادہ عرصہ میں خبروں، واقعات اور عالمی سیاست کا تجزیہ کر کے جو حاصل کیا وہ یہ ہے کہ امریکہ، اسرائیل اور بہت سے یورپی ممالک اسلامی جہاد کر رہے ہیں۔ بالکل سچا جہاد، پکا جہاد، اسلامی جہاد۔ آپ پوچھیں گے، بھائی یہ ممالک تو جہادیوں کے بالکل خلاف اسلامی خلافت کی مکمل ضد اور کسی ملک میں اسلامی قانون کو قطعًا نا برداشت کرنے والے ملک ہیں۔ جی ہاں! بات آپ کی سچی ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ یہ ممالک اسلامی جہاد کر رہے ہیں۔

محترم! یہ ممالک مسلم قوم کے ہمدرد و مہربان ہیں۔ یہ انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے نصف اول تک مسلم قوم کو بادشاہت اور زمین دارانہ نظام سے نجات دلانے کی تحریک چلا چکے ہیں۔ ہاں! اس وقت اسرائیل نہ تھا، یہودی مفکرین ضرور تھے۔

تو دیکھیے! کتنے بڑے ہمدرد تھے یہ ممالک ہمارے۔ انھوں نے پوری مسلم قوم کو جابر حکمرانوں سے نجات دلا دی۔ آزادی بھی عطا کر دی، تاریخ میں تو لکھا ہے۔ ان ممالک نے کتنے مفکر قلم کار علما کی ٹیم تیار کی۔ ان میں سرِ فہرست نام جمال الدین افغانی کا ہے، جنھوں نے اسلامی ممالک میں تبلیغ کی کہ بادشاہت اسلام کے خلاف ہے اور ان بادشاہوں کے خلاف بغاوت وقت کا تقاضا ہے۔ بات درست تھی کہ مسلم قوم نے اپنے مفکرین کی بات مانی اور آج تک ہماری قوم کے جدید مفکرین خلافتِ اسلامیہ کے خلاف لکھتے اور بولتے رہتے ہیں۔ بڑی سادہ ہے ہماری قوم اور بڑے عظیم ہیں ہمارے مفکر۔

روایت ہے کہ ایک روز شیطان حضرت معاویہ کو فجر کی نماز کے لیے اٹھانے آیا۔ آپ نے پوچھا۔ ارے لعین! تیرا کام تو نماز سے روکنا ہے، نہ کہ نماز کی طرف بلانا اور اٹھانا۔ بولا: حضرت معاف کیجیے کام میرا یہی ہے، مگر برائی کی بھی ایک روح ہوتی ہے، جیسے نیکی۔ آپ کی نماز ایک بار قضا ہوئی، آپ نے بڑی گریہ وزاری کی جس سے آپ کا مرتبہ بے حد بلند ہوا۔ مجھے فکر ہوئی کہ دوبارہ بارگاہِ ایزدی میں یہ موقع نہ مل پائے۔ کام درست تھا مگر موقع تھا برائی پر

اٹھارہویں صدی تک دنیا کے بیش تر ممالکِ اسلامیہ مضبوط قلعہ تھے جن کی دیواروں میں یورپ کی تجدید کاری اور مضبوط فوج شگاف نہیں ڈال سکی۔ یورپی مفکرین نے ان اسلامی ممالک کی طاقت ختم کرنے کے لیے ان افکار کا سہارا لیا جو بظاہر اسلامی تھے مگر بے وقت اور غلط استعمال ہو سکتے تھے۔

(۱) بادشاہت اسلام میں نہیں ہے۔

(۲) اسلام میں اظہارِ رائے کی آزادی ہے۔

(۳) اسلام مکمل توحید پر مبنی ہے۔

(۴) شخصی تعظیم اسلام کے خلاف ہے۔

باتیں چاروں درست ہیں، مگر پہلی بات کو زبردستی اسلامی حکومتوں کو ختم کرنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ دوم کو بانیِ اسلام، صحابۂ کرام اور قرآن و حدیث کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے استعمال کیا گیا۔ سوم کو رسالت کی تحقیر کے لیے اور چہارم کو عظیم اسلامی رہ نماؤں اور مذاہبِ فقہ کو باطل کرنے کے لیے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ عالمِ اسلام کی عظیم حکومتیں ختم ہو گئیں۔ ایسے فرقے وجود میں آئے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور مذاہب فقہ کی تکذیب کر دی۔ عظیم مسلم علما کی توہین کی اور دربارِ رسالت میں توہین آمیز لٹریچر تیار کر دیا جن کی وجہ سے پورا عالمِ اسلام آج بھی شکست و ریخت سے دوچار ہے۔ جدید دانش گاہوں میں تعلیم یافتہ طبقہ اس فکری گم راہی کا آج بھی شکار ہے۔، ان کی تحریروں سے یورپ کا فریب جھلکتا ہے۔ دیوبندی، غیر مقلد، قادیانی سب یورپ کی اسی مہم کو آگے بڑھا رہے ہیں، کچھ دانستہ اور کچھ نادانستہ۔ ان فرقوں کے بڑے لوگوں کے تعلقات اور مجلسیں امریکہ، یورپ اور اسرائیل کے ساتھ آج بھی جاری ہیں۔ اور ان کے عوام نادانستہ طور پر مذہبی تعصب میں

صدر المدرسین جامعہ رضویہ، کیمری، رام پور

فریب خوردہ ہیں۔

کمیونزم جو خود اسلام کے خلاف بھی تھا اور اس نے مسلمانوں کے خلاف زبردست ظلم وستم ڈھائے ہیں، یورپ کے غلبہ کے لیے خطرہ تھا، اس کو ختم کرنے کے لیے مسلم ممالک کو یورپ نے ساتھ لیا۔ مسلمان کیوں ساتھ ہوتے؟ تو بتایا گیا کہ کمیونزم دہریت ہے اور آسمانی مذاہب کے خلاف۔ بس کیا تھا، مسلم قوم کمیونزم کے خلاف جہاد کے لیے تیار ہو گئی۔ اس لیے یورپ، امریکہ اور اسرائیل نے جہادیوں کی بھرتی کی، ٹریننگ دی، یعنی جہاد کی تحریک کی قیادت کی۔ یورپ کی فکری اور فوجی قیادت کے تحت کمیونزم ہار گیا۔ جب روس اور کمیونزم کے خلاف جہاد جاری تھا۔ یورپ، امریکہ اور اسرائیل پوری دنیا سے جہادیوں کی بھرتی کر رہے تھے۔ اسلحہ فراہم کر رہے تھے اور ٹریننگ دے رہے تھے حتیٰ کہ روس کی ایئر فورس افغانستان میں عزت و آبرو اور قوت لٹا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

ممتاز صحافی کلدیپ نیر نے سابق برطانوی خاتون وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر کے ساتھ ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ایک مضمون میں لکھا ہے، جو تھیچر کے انتقال کے بعد راشٹریہ سہارا میں چھپا تھا کہ وہ اسلام سے خائف تھیں اور اسلام کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے فکر مند تھیں۔ نیر صاحب بعد میں لکھتے ہیں کہ آج عالمِ اسلام میں جو فساد اور آتش فشاں ابل رہے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کے اسباب انھیں کی فکر و عمل کا نتیجہ ہوں۔

ہم نیر صاحب کی بات کی تائید کرتے ہیں۔ آج یہ سب توڑ پھوڑ عالمِ اسلام میں مارگریٹ تھیچر جیسی شخصیات کی محنت اور کوشش و تبلیغ کا نتیجہ ہیں۔ کشمیر کے مسئلہ پر میرا تبصرہ کرنا شاید چھوٹا منہ بڑی بات ہوگی مگر میں کشمیری مسلح تحریک کو مارگریٹ تھیچر کی محنتوں سے جوڑ کر دیکھ سکتا ہوں۔ کشمیری عوام کو مرکزی حکومت سے بہت کچھ رعایتیں حاصل تھیں اور جمہوریت کے حقوق بھی۔ یہاں جو پریشانی کشمیری مسلمانوں کو تھی اس سے زیادہ فساد اور تعصب جھیلنے والے بات تقریباً پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ تھی۔ مگر پھر بھی کشمیریوں کو فی الحال مسلح تحریک کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ اپنی شکایات، دھرنوں، احتجاجوں اور تحریر و تقریر سے رکھی جا سکتی تھی اور آج جہاں کشمیر چل چلا کر پھر آ ہی گیا۔ مگر ہم نے دیکھا کہ کشمیری مسلح تحریک کے زعما اکثر یورپ اور پاکستان میں تھے۔ امریکہ اور برطانیہ میں چندہ کر رہے تھے اور کشمیر میں آگ لگ گئی۔ دونوں طرف لاکھوں لوگ مارے گئے اور سب سے بڑی بات یہ کہ مکمل بھارت کے مسلمان شک کے دائرے میں آ گئے اور خفیہ ایجنسیوں کو کسی مسلمان کے گرفتار کرنے کے لیے کشمیر سے معمولی تعلق کافی تھا۔

اس مسلح تحریک سے کشمیری قوم اور ہندوستانی مسلمانوں کا زبردست نقصان ہوا۔ ادھر بھارت کو احساس ہوا کہ اس مسلح تحریک کے بانیوں کو پاکستان اور امریکہ و یورپ سے شہ مل رہی ہے۔ امریکہ نے بھارت کی مدد کے بہانے ہندوستان سے قربت بڑھا دی اور اس سے تمام فوجی اور غیر فوجی میدانوں میں سمجھوتا کر لیا۔ تجارتی ٹھیکوں اور مصنوعات کے لیے بھارت کا راستہ امریکہ اور یورپ کو مل گیا۔ بھارت پر احسان کرتے ہوئے امریکہ نے مسلح تحریک کے باغیوں کو گرفتار کیا اور ان پر پابندی لگا دی کیوں کہ ان کا مقصد حاصل ہو گیا۔ یعنی امریکہ اور یورپ کو کشمیر کی مسلح تحریک سے فائدہ پر فائدہ اور مسلمانوں کو اس سے نقصان ہی نقصان۔ جس جہاد سے مسلمانوں کو نقصان ہوا اور غیر مسلموں کو فائدہ ہوا آخر کار امریکہ، یورپ اور اسرائیل اس جہاد کی تبلیغ کیوں نہ کریں گے۔ عالم اسلام میں جہادی تحریکیں چل رہی ہیں، ان کی قیادت امریکہ، یورپ اور اسرائیل کے پاس ہی ہے۔

حال ہی میں اخباروں نے بتایا کہ برطانیہ اور فرانس وغیرہ سے لڑکیاں تک جہاد کے لیے شام کا رخ کر رہی ہیں۔ کیا یہ خود ہی آ رہی ہیں۔ اچھی خاصی زندگی چھوڑ کر آگ اور خون کے سمندر میں کود رہی ہیں۔ آخر کوئی انھیں شام بھیج رہا ہوگا۔ اس سے قبل لیبیا میں بھی یہی صورتِ حال تھی کہ قذافی کے خلاف مجاہد فرانس سے آ رہے تھے۔ یہ وہی یورپ ہے جہاں نسوانی پردے پر پابندی ہے اور شام اور لیبیا کے خلاف جہاد کی اجازت۔

برصغیر میں کتنے جہادی گروپ ہیں، ان کے نام اخباروں میں چھپتے ہیں اور صرف تفتیشی ایجنسیوں کی رپورٹ پر، ورنہ مسلمانوں میں نہ وہ ہیں اور نہ ان کا تعلق، بلکہ خود تفتیشی تلاش میں اخباروں میں آیا کہ اس سے تعلق رکھنے والے غیر مسلم لڑکے پکڑے گئے۔ آپ اس جہاد کا خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کی قیادت کون کر سکتا ہے۔ یعنی عالمِ اسلام کی حکومتوں اور مسلمانوں کو اپنے اپنے علاقوں میں شک کے دائرے میں لانے کے لیے یہ جہادی گروپ کون قائم کر سکتا ہے۔

(باقی، ص:۱۹ پر)

دارالعلوم دیوبند

ایک دورے کی عبرت آموز روداد

حیدر مصباحی پورنوی

پس منظر: ۱۵ر جنوری ۲۰۱۴ء کو راقم اپنی والدہ ماجدہ کے حکم پر بہن سے ملاقات کی خاطر سنگھیا روانہ ہوا۔ یہ گاؤں پورنیہ سے کوئی ۲۸ر کلو میٹر مشرق و جنوب میں واقع ہے۔ یہاں ایک عالی شان مدرسہ ہے، اگرچہ یہ ادارہ اب اپنی عظمت اور شان و شوکت کھو چکا ہے، مگر اس کی سابقہ شہرت ہنوز قائم ہے۔ جو گزشتہ زمانے میں اس کی مرکزیت کا پتہ دیتی ہے۔

سنگھیا غیر منقسم پورنیہ کی وہ سر خیز زمین ہے جہاں سے انمول ہیرے نکلتے رہے ہیں۔ پچھلی صدی میں یہاں صوفی طبیعت کے ایک جلیل القدر عالمِ دین تھے، جن کا اسمِ گرامی زین الدین تھا۔ زمانہ انھیں "بڑے مولانا" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ دیگر علوم وفنون کے ساتھ علمِ فرائض میں مہارت کا یہ عالم تھا کہ لوگ ان کے پاس مسئلہ لے کر آتے اور وہ کاغذ قلم سے حساب کیے بغیر کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے مشکل سے مشکل مسئلہ حل فرمادیتے تھے۔ اسی علمی جاہ و جلال کے سبب پورے علاقہ پورنیہ (بشمول کٹیہار، کشن گنج اور ارریہ) پر ان کا خوب اثر تھا۔

لیکن بحمدا سنگھیا کو اس بد نصیبی کی مار نہیں جھیلنی پڑی، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی قسمت کا ستارہ اور جگمگانے لگا، جبھی تو یہاں سے مقبول ملت علامہ خواجہ مقبول حسین دامت بر کاتہم جیسی شخصیت نمودار ہوئی۔ آپ کی علمی قابلیت کا کچھ اندازہ تو آئندہ سطروں میں ہوگا، لیکن سرِ دست یہ فضیلت سن لیجیے کہ آپ نہ صرف حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمہ سے ارادت و خلافت حاصل ہے، بلکہ حضرت قدس سرہ نے کمال کرم فرمائی کرتے ہوئے آپ کے نکاح میں شرکت فرماکر عقد پڑھایا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ آپ کو مفتیِ اعظم ہند کے دستر خوان ہی نہیں، بلکہ ان کی پلیٹ میں ساتھ ساتھ کھانا تناول کرنے کا شرف حاصل ہے۔ خواجۂ ملت میری ہم شیرہ محترمہ کے قابلِ قدر خسر ہیں۔

یہ سلسلۃ الذہب یہیں پر ختم نہیں ہوتا کہ نوجوان علما میں مولانا خواجہ آصف رضا مصباحی کی اسی سنگھیا میں نشو نما ہوئی، آپ حضرت مقبولِ ملت کے بڑے صاحب زادے ہیں۔ ازہرِ ہند جامعہ اشرفیہ، مبارک پور میں دو سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر جامعۃ الرضا بریلی شریف میں کئی سال تک اپنے فن کے جوہر بکھیرے۔

ارے ہاں، ہم اس گاؤں کی بات کر رہے ہیں، جہاں کا فکر و فن کا ایک دل دادہ شخص رب عز و جل کے فضل اور اپنی محنت کے بل بوتے افقِ علم کے ایک بڑے حصے پر بادل کی طرح چھا جاتا ہے۔ کئی دہائیوں تک مجلات، رسائل، کانفرنسز، سیمینار، نجی مجالس اور علمی محافل میں اپنے فن کے موتی لٹاتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ایسے وقت میں جب چاروں طرف کی یلغار سے بے حال و آرام پرستی سے تباہی کے دہانے تک پہنچ جاتے، اکثر طلبہ و علما چند فنون سے معمولی واقفیت سے زیادہ کا خواب نہیں دیکھ پاتے، آپ نہ صرف متعدّد علوم سے آراستہ ہوتے ہیں، بلکہ ان میں سے بہتوں میں منصبِ امامت پر فائز ہوجاتے ہیں۔ آپ کی فکری جولانیت کے سامنے ملکی سرحدیں پست ثابت ہوتی ہیں۔

بلا خوفِ تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ آپ امام احمد رضا خاں قدس سرہ کے سچے علمی وارث تھے۔ آپ کے علمی قد کو دیکھتے ہوئے ملت نے آپ کو "امامِ علم و فن، غزالیِ زماں، رازیِ زماں" وغیرہ معزز القابات سے نوازا۔ یقیناً آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ بات حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی کے بارے میں ہو رہی ہے۔ ۲۰ر اکتوبر ۲۰۱۳ء کو آپ اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ رحمہ اللہ و رحمۃ واسعۃ۔

اب "آمدم بر سر مطلب" کے مطابق عرض ہے کہ راقم شام کے پانچ بجے کٹارے (وہ جگہ جہاں قاصدین سنگھیا سوارے گاڑی سے اترتے ہیں) پہنچا۔ یہاں سے میری منزل کوئی ایک کلو میٹر کی مسافت پر واقع تھی اور اسی راستے میں محولہ گاؤں کا قبرستان پڑتا ہے، جہاں امامِ علم و فن آرام فرما ہیں۔ چوں کہ سخت سردی پڑ رہی تھی، اس لیے خیال ہوا کہ چلو بے وضو ہی حضرت خواجۂ علم و فن کی بارگاہ میں فاتحہ پڑھ لیتے ہیں، خلافِ ادب ہی تو ہے۔ پھر وضو کر کے مغرب بہن کے گھر پہنچ کر ادا کر لیں گے۔

حدثِ اصغر کے سبب مزار کے اندر جانے کی ہمت نہ ہوئی، اس لیے چہار دیواری کے باہر ہی سے میں اپنے کام میں مصروف ہوگیا اور اس وقت مجھے استنجا کی ذرا سی بھی حاجت نہیں تھی۔ مگر جب دعا پر پہنچا تو پیشاب کا وہ زور دار احساس ہوا کہ لگتا تھا اب کپڑے خراب ہوجائیں گے۔ جب قوتِ برداشت جواب دینے لگی تو میں نے جیسے تیسے فوراً دعا ختم کر دی اور پھر استنجا خانہ کے ارادے سے نکلا، لیکن وہاں سے باہر آنے کے بعد نہ جانے وہ شدت کہاں چلی گئی، اس لیے میں نے اس جگہ حاجت پوری کرنے کے بجائے منزلِ مقصود پر آکر ہی اس ضرورت سے فراغت حاصل کی اور مغرب پڑھی۔

مگر راستے میں اس فکر نے مجھے خاصا پریشان کیا کہ یقیناً یہ حضرت امامِ علم و فن کی طرف سے اس حقیر شاگرد کو پھٹکار تھی کہ نادان مانا زیارتِ قبور کے لیے وضو شرط یا واجب امر نہیں ہے، تاہم بزرگوں کی بارگاہ میں جانے کے آداب سے تو ہے کہ آدمی حدثِ اکبر کے ساتھ حدثِ اصغر سے بھی پاک ہو۔ جس کی رعایت خصوصًا اس شخص کے لیے ناگزیر ہوتی ہے جو اکتسابِ فیض کا ارادہ رکھتا ہو۔

سردی کڑاکے کی پڑ رہی تھی، اس لیے بچاؤ کی خاطر میں آگ تاپنے میں مصروف ہو گیا، وہاں حضرت مقبولِ ملت اپنے صاحب زادے مولانا خواجہ آصف رضا مصباحی کے ساتھ پہلے ہی سے استدفا کی لذت سے محظوظ ہو رہے تھے، حضرت نے موقع غنیمت سمجھتے ہوئے دار العلوم دیوبند کے ایک اپنے ایک سفر (جس میں حضرت امامِ علم و فن علیہ الرحمہ بھی ان کے ساتھ تھے) کی روداد سنانا شروع کی۔ دورانِ واقعہ بیانی راقم نے یہ تبصرہ کیا ”فروغِ مسلکِ اہلِ سنت میں اس پورے دورہ کی بڑی اہمیت ہے، مگر افسوس اب تک یہ باتیں منظرِ عام پر نہیں آسکی ہیں۔“ پھر جب مجلس برخاست ہونے لگی تو میں نے حضرت مقبولِ ملت سے مؤدبانہ عرض کیا: ”حضور! آپ اس سفر کے اہم نکات ایک صفحے پر تحریر فرما دیں۔ یہ حقیر ایک مضمون کی شکل میں اس کی پوری روداد لکھ کر ماہ نامہ اشرفیہ میں چھپوائے گا۔“

مسرت کا مقام یہ ہے کہ انھوں نے اس درخواست کو حسنِ قبول سے نوازا اور مزید کرم فرمائی کرتے ہوئے تین صفحات پر ایک مضمون تیار کر کے ناچیز کے حوالے کر دیا، جسے راقم یہاں اپنے طور پر پیش کر رہا ہے۔

روداد تحریر کرنے کی ضرورت و اہمیت: اس پورے سفر میں جو واقعات پیش آئے تھے، تقریبًا سب میں ایسی باتیں موجود ہیں، جو مسلکِ اہلِ سنت و جماعت کی حقانیت، اس کے علما کی بے نیازی، بلند ہمتی، تصلب فی الدین، علمی قابلیت وغیرہ کی بین دلیل ہیں۔ جیسا کہ آئندہ سطروں میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ راقم کو اس وقت سخت ملال لاحق ہوا جب اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ چیزیں ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آئی ہیں۔ آج تقریبًا ۵۲ برس بعد افادۂ عام کے لیے اسے نذرِ قارئین کیا جا رہا ہے۔

تاریخ وغرضِ سفر: اللہ عزوجل کو یہ منظور تھا کہ دیوبندیوں کو اہلِ سنت کی حقانیت اور بے باکی کا مشاہدہ کرایا جائے، اس لیے امام علم و فن علیہ الرحمہ اور علامہ خواجہ مقبول حسین کو منظرِ اسلام بریلی شریف میں زمانۂ تدریس کے دوران یہ خواہش ہوئی کہ دار العلوم دیوبند کی سیر کی جائے۔ پھر کیا تھا، مئی ۱۹۶۲ء میں ان دونوں حضرات نے وہاں کا رختِ سفر باندھا اور اس دورے میں رب تعالیٰ کے فضل سے ان کی بدولت دیوبندیوں کو خاصا معاینہ تو ہوا، مگر چوں کہ ہدایت نصیب میں نہیں تھی، اس لیے بجائے حق قبول کرنے کے لیے وہ لوگ ادھر ادھر ٹال مٹول کر گئے۔

دیوبند میں ورود اور ایک بحث میں فتح مبین: جب یہ دونوں حضرات دیوبند پہنچے تو رسمی ملاقات کے موقع پر کچھ طلبہ نے طریقۂ مصافحہ پر معترضانہ انداز میں کہا کہ اس طرح ہاتھ ملانا درست نہیں ہے۔ اس پر حضرت مقبول ملت نے جواب دیا کہ محدثینِ کرام کے نزدیک مصافحہ اسی طریقہ پر ہونا چاہیے، جو آپ کے یہاں رائج ہے۔ مگر فقہاے کرام کے نزدیک اس کے علاوہ ایک اور طریقہ ہے جو اصح ہے، اور وہ بایں طور کہ ہر شخص اپنی داہنی ہتھیلی سے دوسرے کی داہنی ہتھیلی اور اپنی بائیں ہتھیلی سے اس کی بائیں ہتھیلی کو پکڑے، نیز ہر ایک دوسرے کے انگوٹھے کو رگڑے، اس لیے کہ اس کے اور شہادت کی انگلی کے بیچ میں ایک رگ ہے، جس میں رگڑ پیدا ہونے سے محبت بڑھتی ہے اور یہی مقصد مصافحہ بھی ہے۔

جب یہ بحث طول پکڑنے لگی تو حضرت امامِ علم و فن نے فرمایا کہ قطعِ نزاع کی اب یہی صورت ہے کہ کتابیں لائی جائیں، وہی ہمارے جھگڑے کا فیصلہ کریں گی۔ لغت کی مشہور کتاب ”مختار الصحاح“ حدیث میں ترمذی شریف اور فقہ میں فتاویٰ شامی لائی گئیں۔ مختار الصحاح کی جانب رجوع کیا گیا تو مصافحہ کا ذکر ان الفاظ میں ملا:

المصافحة الصاق صفحة الكف بالكف.

اور شامی کھولی گئی تو وہاں یہ درج تھا:

المصافحة الصاق صفحة أحد الكف الباطن بالكف الآخر، والسنة أن يكون بكلت اليدين.

اور تقریبًا یہی مفہوم ترمذی شریف کے حاشیے میں تھا۔ جب اس سے ان کا جوشِ عناد ٹھنڈا نہ ہوا تو مولانا اعزاز علی کا ایک فتویٰ پیش کیا گیا، جسے مولانا محمود الحسن دیوبندی نے نقل کیا تھا۔ اس میں لکھا تھا:

”ہر ایک اپنا داہنا ہاتھ دوسرے کے داہنے ہاتھ پر اور اپنا بایاں ہاتھ دوسرے کے بائیں ہاتھ میں دے کر مصافحہ کرے۔“

(واضح رہے کہ فی الوقت کتابوں کی عدم فراہمی کے باعث مذکورہ حوالوں کی تخریج نہیں ہو سکی، جس کے لیے راقم معذرت خواہ ہے۔ بس حضرت مقبولِ ملت کی یادداشت اور ان کی تحریر پر اعتماد کرتے ہوئے یہ عبارتیں نقل کر دی ہیں۔)

جب ان دیوبندیوں کو اپنے اکابر کے یہاں بھی پناہ نہیں ملی تو بول پڑے کہ حضرت مولانا اعزاز علی سے ترجمۂ حدیث میں چوک ہو گئی ہے، اس لیے اس سے آپ لوگوں کی تائید ہو رہی ہے، اس پر حضرت امامِ علم و فن جوش میں آگئے اور یوں برس پڑے: ”آپ لوگوں کی یہ پرانی روش ہے کہ صحیح کو غلط اور حق کو ناحق سمجھ کر جو من میں آتا ہے، بلا جھجک کہہ دیتے ہیں“ اور اس طرح یہ گفتگو ختم ہو جاتی ہے۔

سوال و جواب: اس کے بعد دار العلوم کی عمارت کے بارے میں مقبولِ ملت سے اس امید پر کہ اس کی جاذبیت اور عمدگی پر کچھ لب کشا ہوں گے، یہ پوچھا گیا کہ یہ کیسی معلوم پڑتی ہے؟ آپ نے بے دھڑک جواب دیا کہ ”یہ قصرِ فرعون ہے“۔ ظاہر ہے اس پر وہ لوگ برہم ہوئے ہوں گے، لیکن اپنے آپ کو کسی طرح

سنبھالتے ہوئے پھر یہ سوال کیا: "دار الحدیث کیسا لگ رہا ہے؟" اس بار حضرت مقبولِ ملت نے زور کا جھٹکا دیتے ہوئے کہا: "جیسے بالکل دار الخبیث ہو۔"

دیوبند میں قیام کے دوران ان حضرات کا معمول یہ رہا کہ جب دیوبندیوں کی جماعت کھڑی ہوتی تو عین اس وقت حضرت مقبولِ ملت مسجد میں کچھ ہٹ کر تنہا نماز ادا کرتے جب کہ حضرت امامِ علم و فن وضو کے لیے چل پڑے اور بعد میں نماز ادا کرتے۔ کئی وقتوں تک تو ان لوگوں نے اسے صبر و ضبط کے ساتھ دیکھا، بالآخر جب برداشت کی قوت جاتی رہی تو پوچھ ہی ڈالا۔ "آپ الگ سے نماز کیوں پڑھتے ہیں حالاں کہ جماعت واجب ہے؟" اس پر حضرت مقبولِ ملت نے بلا دغدغہ فرمایا: "آپ حضرات علمائے اہل سنت و جماعت کے عقائد حقہ سے پھرے ہوئے ہیں، نیز آپ لوگوں کے اکابر نے سرکارِ دوعالم ﷺ کی گستاخیاں کی ہیں، جس کے سبب ان کی تکفیر ہوئی ہے، اس لیے آپ لوگوں کی اقتدا میں یہ فقیر اس وقت تک نماز نہیں پڑھ سکتا جب تک آپ اپنے گندے عقائد سے رجوع نہ کرلیں۔" واہ رے ہمت مومنانہ کہ دیوبندیت کے مولد و منشا میں جاکر ان کے خلاف ایسی حق گوئی جو اللہ کے فضل سے صرف علمائے حق کا حصہ ہے، باطل پرست مولویوں کی طرح نہیں کہ ہندوستان میں میلاد و قیام وغیرہ کو تو بدعت اور پتہ نہیں کیا کیا کہیں اور بلادِ اسلامیہ میں گھوم گھوم کر نہ صرف ان کے حق میں تقریریں کریں بلکہ عملی جامہ بھی پہنائیں۔

ایک حیرت انگیز، چشم کشا اور عبرت آموز واقعہ: جس چیز نے اس فقیر کو روداد سفر سپرد قلم کرنے پر سب سے زیادہ مجبور کیا وہ ذیل کا قصہ ہے۔ دراصل ہوا یوں کہ:

دیوبند میں اثنائے اقامت طلبہ کی ایک ٹیم حضرت امامِ علم و فن اور حضرت مقبولِ ملت کی خدمت میں باریاب ہو کر عرض گزار ہوئی: "یہاں ہمارے علمائے کرام لیٹے ہوئے ہیں، چلیے ان کے مزارات پر فاتحہ پڑھ لی جائے۔" قربان جائیے حضرت مقبولِ ملت کی ایمانی جرأت و غیرت پر کہ آپ نے بلا خوف و خطر صاف لفظوں میں فرمایا:

"آپ لوگوں کے اکابر کے مقبرے کسی صاحبِ ایمان کی حاضری سے شرف تو حاصل کر نہیں سکتے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہاں سور جائیں۔" خدا کی شان دیکھیے کہ جب بہت اصرار کرنے پر یہ حضرات مع ان طلبہ کے اس طرف پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ واقعی پہلے سے سات خنزیر ان کی قبروں کا گشت کر رہے ہیں۔ اس میں جہاں ان حضرات کے لیے سامانِ فرحت و انبساط تھا، وہیں یہ حادثہ ان طلبہ پر بجلی بن کر گرا، وہ سب بکے بکے رہ گئے، مانو ان کی قوتِ گویائی سلب ہو گئی ہو۔ احساسِ ندامت میں وہ ڈوبے جا رہے تھے۔ مگر یکایک کمالِ عیاری سے اپنے اوپر قابو رکھتے ہوئے بولے: "واقعی آپ تو باکرامت عالم معلوم ہوتے ہیں۔"

ہائے رے شومیِ قسمت! کہ حق و باطل کی اتنی بڑی نشانی دیکھ کر بجائے اس کے عقائد فاسدہ سے توبہ کرکے دامنِ ایمان سے لپٹ جاتے، کمالِ جہالت سے اس واقعہ کو کرامت کا نام دے کر آگے نکل گئے اور یہ ان کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ جن لوگوں نے اپنی زندگی میں سرکار ﷺ نیز بزرگانِ دین کی شان میں صریح گستاخیاں کی ہوں، بھلا ان کی قبروں کا طواف سور نہیں تو اور کون کرے گا۔

الفضل ما شهدت به الأعداء: وہاں کے علما کی ایک نشست میں کسی نے حضرت امامِ علم و فن سے پوچھا کہ آپ کون کون سی کتابیں پڑھاتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: "صدرا، شمس بازغہ، افق المبین، شرح اشارات" اس پر کمالِ استعجاب سے مولوی فخر الدین شیخ الحدیث نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا: "یہ کتابیں گنبدِ بے در ہیں"۔ پھر حضرت مقبولِ ملت سے یہی سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا: "بیضاوی شریف، سلم العلوم، ملا حسن، میبذی، شرح عقائد، نور الانوار۔" یہ سنتے ہی ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی اور بولے: "یہ عمر اور کتابیں، وہ بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مدرسے میں پڑھاتے ہیں!"

اس محفل میں علمائے دیوبند نے امام امام احمد رضا خاں قدس سرہ کی علمی قابلیت کو یوں خراج تحسین پیش کیا:

"ہم لوگ علم کی جستجو میں رہتے ہیں، جب کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو علم خود تلاش کرتا تھا، ان کی علمی تحقیقات سب پر بھاری ہیں، وہ واقعی علم و فن کا سمندر تھے اور ہم لوگ تو محض قطرے کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

پھر نشست کے آخر میں وہاں کے مفتیوں نے بڑی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس حق گوئی کا تلخ جام بہت مشکل سے گھونٹ گھونٹ کر پیا کہ "قابلِ اعتراض عبارات پر اعلیٰ حضرت کی شرعی گرفت کے باوجود علمائے دیوبند نے اپنے اقوالِ کفریہ سے رجوع نہیں کیا تھا، جس کے سبب دونوں گروہوں (اہلِ سنت و جماعت اور دیوبندی) میں اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی چلی گئی، جسے اب قیامت تک پاٹا نہیں جا سکتا۔"

دیوبند کے مولویوں کے ان اعتراضات کے باوجود راقم یہ تبصرہ کرنے پر مجبور ہے کہ یہ لوگ اخروی اعتبار سے کامیاب پھر بھی نہیں کیے جا سکتے، اس لیے کہ قیامت کے دن نجات کا دار و مدار صرف معرفتِ حق پر نہیں بلکہ اس کے بعد باطل سے توبہ کرنے اور حق کو گلے لگانے پر ہے۔ ورنہ تو زمانۂ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اہلِ کتاب بالخصوص یہودی اچھی طرح پہچانتے تھے کہ محمد (ﷺ) نبی برحق اور آخری پیغمبر ہیں، جن کی بشارت توریت و انجیل میں دی جا چکی ہے۔

دیوبند کی ایک عمارت کے بارے میں رازِ سربستہ کا انکشاف: کس کو پتہ تھا کہ ان حضرات کے اس سفر کی بدولت دار العلوم دیوبند کا ایک ایسا

راز طشت از بام ہو جائے گا، جسے وہاں کے ارباب حل و عقد نے کئی دہائیوں سے چھپائے رکھا تھا۔ ذمہ دارانِ دیوبند نے کبھی نہیں سوچا ہوگا کہ ایسی بھی صورتِ حال آسکتی ہے کہ اس راز کو لوگوں کے سامنے عیاں کرنا پڑے۔ حد تو یہ ہے کہ خود ان حضرات کے وہ وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس دورہ میں ایسا کچھ وقوع پذیر ہوگا، واقعہ یہ ہے کہ:

مدرسے کی عمارت کے "باب الخارج" سے "بیت الخلا" کے لیے ایک راستہ نکلتا تھا، چلتے چلتے اچانک حضرت مقبولِ ملت کی نظر اس کی ایک دیوار پر پڑی جو ہلکی سی ٹیڑھی تھی، ظاہر ہے کہ ان کی جیسی طبیعت کا مالک شخص اس پر کیوں کر خاموش رہ سکتا تھا، فوراً وہاں کے لوگوں پر یہ سوال ٹھونک دیا: "یہ دیوار سیدھی کیوں نہیں ہے؟" پہلے تو اسے ان لوگوں نے اسے ٹالنے کی کوشش کی پھر بولے: "آج تک یہ بات کسی نے نہیں پوچھی تھی، یقیناً آپ بڑے دور اندیش ہیں۔" اور جب پورا یقین ہو گیا کہ بتائے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے تو س کی حقیقت کو یوں وا کیا:

"باب الخارج سے متّصل دس ڈسمل زمین ایک بریلوی مکتب فکر والے صاحب کی ہے جو سپریم کورٹ دہلی میں وکالت کرتے تھے، دیوار کے سیدھے ہونے کی ایک ہی صورت تھی کہ وکیل صاحب کی زمین پر اسے قائم کیا جائے۔ انھیں زمین فروختگی کی پیش کش کی گئی تو وہ راضی نہیں ہوئے اور اپنی زمین پر دیوار کی تعمیر سے بڑے شد و مد کے ساتھ روکا، نیز خلاف ورزی کرنے پر عدالتِ عالیہ کارروائی کی دھمکی دے ڈالی۔ جب انھیں زمین بیچنے پر کسی طرح منا نہیں سکے تو بالآخر اس وقت کے وزیرِ اعظم یا صدر جمہوریہ سے مدد کی درخواست کی گئی۔ وہ بذریعہ ہوائی جہاد دیوبند بلوائے گئے اور وکیل صاحب بھی وقت مقررہ پر وہاں حاضر ہوئے، اس قطعۂ زمین کی قیمت نو لاکھ روپے طے ہوئی، مگر چوں کہ وہ بہت پکے بریلوی تھے، اس لیے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا اور بولے کہ ہم زمین دیوبند کو نہیں دے سکتے ورنہ ہمارا ایمان ختم ہو جائے گا۔ ابھی تک وہ زمین یوں ہی پڑی ہے اور اس طرح یہ دیوار عیبِ کجی کو جھیلنے پر مجبور ہے۔"

وکیل صاحب کے اس جملے "ہم زمین دیوبند کو نہیں دے سکتے ورنہ ہمارا ایمان ختم ہو جائے گا۔" کی تصدیق تو دار الافتا کے مسند نشیں حضرات کا کام ہے اور یہ انھیں زیب بھی دیتا ہے، مجھ جیسے کم علم اور بے بضاعت کے لیے اس مسئلے پر لب کشائی کرنا ہلاکت کا باعث ہو سکتا ہے۔ تاہم ان وکیل صاحب کے اس جملے سے اپنے مسلک پر ان کا جو تصلب اور گستاخیِ رسول کے مرکز کے تئیں ان کی جو دشمنی اور نفرت جھلکتی ہے، وہ نہ صرف لائقِ تحسین ہے، بلکہ ہمارے لیے نمونۂ عمل بھی۔

اس سلسلے میں دوسری بات یہ ہے کہ یہ حضرت مقبولِ ملت کی ذہانت و فطانت اور چیزوں کو غور سے مشاہدہ کرنے کا نتیجہ تھا جس نے دیوبندیوں سے اس راز سربستہ کو اگلوا لیا اور ہم آج اس سے واقف ہو رہے ہیں۔

امام احمد رضا خاں قدس سرہ کی شخصیت کشی کی ناکام کوشش اور حضرت مقبول ملت کی حیرت انگیز برجستگی: یہ صحیح ہے کہ عداوت میں آدمی دوسرے کے فضائل و کمالات دیکھنے سے عاجز ہو جاتا ہے، جیسا کہ ایک عربی شاعر کہتا ہے:

عین الرضا عن کل عیب کلیلة
ولکن عین السخط تبدی المساوی

مگر یہ بہت کم مشاہدے میں آتا ہے کہ مخالفت کے سبب کسی کی اچھائیاں سراسر برائیوں میں تبدیل ہو جائیں، ماضیِ قریب میں اس کی سب سے اچھی مثال اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی قدس سرہ ہیں۔ معمولاتِ اہلِ سنت کے تئیں جن کے تجدیدی کارناموں اور دیگر اصلاحات سے نہ صرف اہلِ باطل چشم پوشی کر رہے ہیں، بلکہ ان کے مساعیِ جمیلہ کو "تکفیری مشن" کا حصہ اور خود انھیں اہلِ سنت و جماعت سے ہٹ کر ایک جدید مکتبِ فکر کا بانی باور کرایا جا رہا ہے جس کی ایک مذموم جھلک ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔ دراصل ہوا یوں کہ:

ابھی یہ دونوں حضرات دار العلوم دیوبند میں تھے کہ کسی دن ایک حاسد نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اچھا موقع ہے، چلو تیر مار کے آتے ہیں، حضرت مقبولِ ملت کے سامنے فخریہ انداز میں فارسی میں یہ شعر پڑھا۔

دو کس بنام احمد گمراہ کند جہاں را مرزا غلام احمد، احمد رضا بریلی

اس موقع پر حضرت مقبولِ ملت کی زبان پر دست رس، برجستگی، حاضر جوابی اور حقیقت بیانی کی داد دیجیے کہ انھوں نے فوراً اس کے جواب میں اُسی زبان میں دو شعر موزوں کر دیے، اور وہ یہ ہیں:

احمد رضا بریلی دانست کفر دیوبند — محفوظ کرد ملت از ملحدینِ دیوبند
مرزا غلام احمد در دعوۂ نبوت — مقتول شد بتیغ احمد رضا بریلی

اسے کہتے ہیں "اینٹ کا جواب پتھر سے" یہ سن کر وہ شخص حواس باختہ ہو گیا، کچھ بولنے کی ہمت نہ ہوئی اور چپ چاپ اپنا راستہ لیا۔

عامر عثمانی سے ملاقات اور حضرت مقبول ملت کی حق گوئی: دار العلوم دیوبند میں قیام کے دوران ایک دن حضرت امامِ علم و فن اور حضرت مقبول ملت عامر عثمانی کے کمرے میں لے جائے گئے، یہ وہی عامر عثمانی ہیں جو ماہ نامہ تجلّی دیوبند کے ایڈیٹر تھے، یہ وہی شخص ہیں جس نے حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی مشہور کتاب "زلزلہ" کا مطالعہ کرنے کے بعد علمائے دیوبند کو مخلصانہ مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر مذکورہ کتاب کے حوالے درست ہیں تو پھر وہ کتابیں نذر آتش کر دی جائیں، جن سے قابلِ اعتراضات اس کتاب میں درج کیے گئے ہیں۔

خیر! وہاں پہنچنے پر عامر عثمانی نے سلام کیا تو ان حضرات کی غیرتِ ایمانی نے

انھیں جواب دینے سے باز رکھا، پھر انھوں نے حق مہمان نوازی ادا کرتے ہوئے چاے ناشتہ پیش کیا توان حضرات نے تناول فرمانے سے انکار کر دیا۔ اس پر انھوں نے صفائی دیتے ہوئے کہا: ”میں نے دار العلوم دیوبند سے رابطہ ختم کر دیا ہے“ حضرت مقبولِ ملت نے پوچھا: ”آپ کس فرقہ سے منسلک ہیں؟“ انھوں نے جواب دیا: ”جماعتِ اسلامی سے۔“

اس مقام پر مقبولِ ملت کی حق گوئی دیکھیے کہ انھوں نے عامر عثمانی کے جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ”وائے افسوس! سمندر سے نکل کر گنگا میں ڈوب گئے۔ آپ لوگ کب تک ایسا کرتے رہیں گے، نفسانیت کا شکار مت ہوئیے، مسلکِ حق اہلِ سنت و جماعت کا دامن تھام لیجیے کہ اسی میں کامیابی ہے۔“

آخر میں حضرت مقبولِ ملت کا ایک بصیرت افروز جواب: واپسی سے کچھ پہلے دار العلوم دیوبند کے طلبہ کی ایک ٹیم نے حضرت مقبولِ ملت سے پوچھا: ”آپ دیوبندی کو کس طرح پہچانتے ہیں؟“ فرمایا: ”اس کے چہرے سے کہ وہاں نورِ محمدی ﷺ نہیں ہوتا ہے جب کہ سنی کا چہرا چمکتا دمکتا ہے۔“ اس پر ان لوگوں نے معترضانہ انداز میں کہا: ”نور دل میں ہوتا ہے نہ کہ چہرے میں؟“ اس موقع پر انھوں نے جو بصیرت افروز جواب دیا تھا، اس سے جہاں ایک طرف طبیعت عش عش کر اٹھتی ہے، تو وہیں دوسری جانب اس کی علمی گہرائی و گیرائی کا منہ بولتا ثبوت بھی ہے۔ آپ نے کہا: ”یقیناً نور دل میں ہوتا ہے مگر اس کا اثر چہرے پر نمایاں ہوتا ہے، جیسا کہ خوشی یا غم کی کیفیت دل میں ہوتی ہے۔ لیکن اس کا اثر چہرے پر دکھتا ہے۔“ یہ سن کر کچھ افریقی طلبہ بول اٹھے۔ ”هذا حق، أنتم على حق، و الله اعلم.“

اختتام: یہ تحریر اس امید کے ساتھ منظرِ عام پر لائی جا رہی ہے کہ شاید کوئی بد باطن اسے پڑھ کر راہِ راست پر آجائے اور مسلکِ اہلِ سنت و جماعت کا دامن مضبوطی سے تھام لے۔ ما ذٰلك على الله بعزیز. اور یہی در اصل اس محنت کا سبب ہے جو اس کی تیاری میں صرف ہو رہا ہے۔ اور باقی رہا بدلہ تو وہ اللہ عزوجل کے ذمۂ کرام پر ہے اور اگر یہ (کسی بد باطن کا قبولِ حق) نہ بھی ہوا تو کم سے کم یہ فائدہ تو ضرور حاصل ہوگا کہ رسالہ کے قارئین عوام اہلِ سنت کو اپنی حقانیت کا علم الیقین سے آگے کچھ حد تک عین الیقین حاصل ہو جائے گا، انشاء اللہ عزوجل، مولیٰ تعالیٰ سے آخر میں دعا ہے کہ ہمیں حق کہنے، لکھنے اور سننے کے ساتھ اس پر عمل کی توفیقِ خیر سے نوازے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆

(ص:۱۴ کا بقیہ)..... پچھلے بیس سال سے ہم دیکھ رہے ہیں جو اسلامی حکومت ذرا مضبوط ہوئی اس کے خلاف جہاد شروع ہو گیا۔ پاکستان جب سے ایٹمی طاقت بنا فوراً وہاں پر جہادی گروپ قائم ہو گئے۔ پاکستان میں غیر شرعی کام تو بہت پہلے سے ہو رہے ہیں، مگر جیسے ہی وہ ایٹمی طاقت بنا وہاں پر جہادی طاقتیں قائم ہو گئیں اور ان کا جہاد ہو رہا ہے۔ پاکستانی فوج کے خلاف، پاکستانی قوم کے خلاف، مزارات کے خلاف، مذہبِ حنفی کے خلاف، سنی مسلمانوں کے خلاف۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ ایسے جہاد کی قیادت کس کے ہاتھ میں ہوگی جس میں سراسر مسلمانوں کی تباہی ہے اور امریکہ یورپ اسرائیل اور اسلام دشمن طاقتوں کا فائدہ۔

ظلم کے خلاف جہاد لازم ہے، برائی کے خلاف جہاد ضروری ہے۔ وطن کی سرحدیں خطرے میں ہوں تو جہاد فرض ہے، مگر یہ جہاد حکومت کا کام ہے عوام اور افراد کا کام نہیں۔ اس کے شرائط ہیں۔ اس کا مقصد قوم اور وطن کی حفاظت ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سربلندی، مگر آج ہم ان کا مقصد مسلمانوں کی بربادی پاتے ہیں، مسلم حکومتوں اور عوام کو قتل کرنا پاتے ہیں۔ جلسوں میں، مسجدوں میں، قبرستانوں میں جہاد ہو رہا ہے۔ علما کا قتل ہو رہا ہے، مسلم بہادروں اور حکمرانوں کا قتل ہو رہا ہے، جو حکومتیں امریکہ، یورپ اور اسرائیل کے لیے خطرہ ہیں وہ چاہے کتنا ہی ظلم کر لیں ان کے خلاف جہادی گروپ نہیں ہیں، جیسے سعودیہ، قطر، عرب امارات وغیرہ اور وہ عوام جو امریکہ اور اسرائیل کے ظلم کے خلاف آواز اٹھائیں اور وہ حکومتیں جو امریکہ اور اسرائیلی مفاد کے خلاف ہوں ان کے اندر فوراً جہادی گروپ قائم ہو جاتے ہیں۔

یہاں پر ان حکمراں طبقہ کی بھی ایک بڑی خطا ہے کہ جو خواہ مخواہ امریکہ اور اسرائیل کے خلاف بیان دیتا ہے اور کر کچھ نہیں سکتے۔ اور ساتھ میں اپنے عوام کے خلاف اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے آخری ظلم جائز رکھتا ہے، لہٰذا ایسے حکمرانوں کو بھی اپنے انجام کو پہنچنا ہے۔ ایران و شام و لیبیا اس کے مظہر ہیں۔

علماے کرام نے فاسق حکمراں طبقہ کے خلاف مسلح تحریک نہیں چلائی۔ مغل بادشاہ اکبر کے فیصلوں کے خلاف علماے کرام نے مسلح تحریک نہیں چلائی، بلکہ صرف دعوت و تبلیغ پر اکتفا کیا۔ شیعہ حکومتوں کے خلاف سنی علما نے تاریخ کے کسی دور میں مسلح تحریک نہیں چلائی۔ جب بادشاہ سرحدوں کی حفاظت کرتا ہو تو اس کو فسق و فجور پر نصیحت لازم۔ اور یہی علماے کرام کا منصب رہا ہے۔ جن ممالک میں حکومتوں نے مسلمانوں کو شریعت پر عمل کرنے کی آزادی دی اور عبادات کی اجازت دی اور غیر مسلموں نے صلح سے کام لیا، وہاں پر کبھی علما نے جہاد کا فتویٰ نہیں دیا۔ لہٰذا گزشتہ دہائیوں سے جو جہادی گروپ عالمِ اسلام یا غیر مسلم ممالک میں جہاد کے نام پر قائم ہیں ان کی قیادت، بھرتی، ٹریننگ، امریکہ اسرائیل یورپ یا وہ لوگ تو ضرور کر رہے ہوں گے جو مسلمانوں کو شک کے دائرے میں لانا چاہتے ہیں۔ مسلم حکومتوں کو توڑنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کو تعلیم و ترقی و تبلیغ سے روکنا چاہتے ہیں۔

تو اب آپ جان گئے کہ سچے مجاہد ہیں امریکہ، اسرائیل اور یورپ اور وہ طاقتیں جو مسلم قوم کی دشمن ہیں۔ یہ جہاد اسلامی جہاد نہیں ہے۔ لہٰذا مبارک ہو امریکہ اسرائیل کو جہاد اور عالمِ اسلام کو سادہ لوحی۔ ☆☆☆

روزہ کے بنیادی مقاصد

محمد طفیل احمد مصباحی

قرآنی ارشاد کے مطابق انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ رب العزت کی اطاعت اور عبادت ہے۔ دنیا کی ہر چیز اپنے جلو میں ایک مقصد رکھتی ہے، دین و دنیا کا کوئی بھی کام مقصد سے خالی نہیں۔ با مقصد اور پاکیزہ زندگی گزارنا ہی ایک مومنِ کامل کی شان ہے۔ مقصد اور غرض و غایت کی اہمیت وافادیت سے انکار ممکن نہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

الفعل الاختیاری معلل بالأغراض .

یعنی فعلِ اختیاری کسی نہ کسی غرض اور مقصد پر مبنی ہوا کرتا ہے۔

دینِ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں "روزہ" بھی ایک رکنِ اعظم ہے۔ نماز، زکوٰۃ اور حج کی طرح روزہ کے بھی کچھ بنیادی مقاصد ہیں۔ انھیں مقاصد کے حصول کے پیشِ نظر اہلِ ایمان پر روزہ فرض کیا گیا ہے۔

عبادت کئی طرح کی ہوتی ہے۔ جانی عبادت جیسے نماز، مالی عبادت جیسے زکوٰۃ، جانی و مالی عبادت کا مجموعہ جیسے حج۔ روزہ کا تعلق جسمانی عبادت سے ہے۔ جسم کے ظاہری نظام کی صحت و تندرستی میں روزہ ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ روزے کا مادّی فائدہ ہے۔ روزے کا روحانی فائدہ اور صالح پہلو "تقویٰ" کا حصول ہے۔

تقویٰ کا حصول:

روزہ کے بنیادی مقاصد میں سب سے اہم اور مہتم بالشان مقصد "تقویٰ" کا حصول ہے۔ اوامر کو بجالا کر منہیات سے باز رہنے کا نام تقویٰ ہے۔ روزہ کے دیگر مقاصد نہ بھی ہوتے تو صرف یہی ایک مقصد روزے کی اہمیت کے اظہار کے لیے کافی ہوتا، کیوں کہ تقویٰ عبادت کا مغز، تقرب الی اللہ کا مضبوط ذریعہ، تکریمِ انسانیت کا سب سے بڑا پیمانہ اور شرفِ آدمیت کے لیے ایک اونچا معیار ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک سب سے مکرم و محترم وہ انسان ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعتِ اسلامی میں اہلِ ایمان کو زیورِ تقویٰ سے آراستہ ہونے پر کافی زور دیا گیا ہے۔

مشہور حدیثِ پاک ہے: إتق الله حیث ما کنت .

(الأربعین للنووی، دعوتِ اسلامی، پاکستان)

ترجمہ: تم جہاں کہیں رہو، اللہ سے ڈرتے رہو۔

ہر جگہ اللہ سے ڈرنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ خشیتِ الٰہی وہ واحد بجلی ہے جو خرمنِ معصیت کو جلا کر انسان کو نیکیوں کی طرف آمادہ کرتی ہے اور خیر و سعادت کی دعوت دیتی ہے۔

قدوۃ السالکین حضرت ابو طالب مکی قدس سرہ نے "تقویٰ" سے متعلق کتنی پیاری بات کہی ہے۔ آپ "قوت القلوب" میں لکھتے ہیں:

"الإیمان عریان ولباسه التقویٰ."

اسلام ایک عریاں حقیقت ہے اور اس کا لباس تقویٰ ہے۔

ایمان و اسلام کے رخِ زیبا پر جب تک تقویٰ کا غازہ نہ ملا جائے، اس کا حسن دوبالا نہیں ہو سکتا۔ مطلب ظاہر ہے کہ بندۂ مومن کا ایمان تقویٰ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ اب آپ ہی اندازہ لگائیں کہ اسلام میں تقویٰ کی اہمیت اور مقام کس قدر بلند و بالا ہے۔ تقویٰ جس قدر اہمیت و معنویت کا حامل ہے، اس کا حصول بھی اسی قدر مشکل ہے۔ ایک انسان کے اندر ایمان و عمل کے ساتھ اخلاص اور جوہر تقویٰ کا پایا جانا بڑا مشکل امر ہے۔ انسان دعوائے ایمانی کے ساتھ احکامِ الٰہی بجا بھی لاتا ہے تو بالعموم اس کے اعمال اخلاص اور تقویٰ کے جوہر سے خالی ہوتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ فتویٰ کے ساتھ تقویٰ پر عمل کرنا سب کے بس کا روگ نہیں۔ گویا تقویٰ کا حصول بہت دشوار اور جاں گسل کام ہے۔

مگر روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کے ذریعہ اہلِ ایمان تقویٰ حاصل کرنے میں آسانی کے ساتھ کامیاب ہو جاتے ہیں اور وہ متقی و پرہیز گار بندوں کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایمان والوں پر روزہ فرض کرنے کے ساتھ "روزے کا مقصد" بھی ظاہر فرما دیا ہے، چناں چہ ارشادِ ربانی ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامَ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ.

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کر سکو۔

tufailmisbahi@gmail.com

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ روزے کا بنیادی مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ بندۂ مومن روز رکھ کر تقویٰ جیسے بلند مقام اور عظیم الشان مرتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے روزہ کے لوازمات اور تقاضوں پر بھی کما حقہ عمل کیا جائے۔ کھانے پینے اور جماع سے رکنے کے ساتھ ساتھ جملہ منہیات (ناجائز و حرام کام) سے بھی بندہ اپنے آپ کو بھی روکے رکھے۔ جب اس شرط کے ساتھ روزہ ادا ہو گا تو لا محالہ اس کا اثر بندے کی ذات پر پڑے گا اور بندہ زہد و تقویٰ کا پیکرِ جمیل بن کر روزہ کے مقصدِ اصلی کے حصول میں کامیاب و کامران بنتا نظر آئے گا۔

آج روزہ داروں کی دنیا میں کمی نہیں ہے، مگر پرہیز گاروں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ روزہ تو رکھا جا رہا ہے، مگر روزے کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیا جا رہا ہے۔ اس لیے روزے کا بنیادی مقصد "تقویٰ کے حصول" میں ہم ناکام ہیں۔

روزہ ایک طرح کی محنت اور مزدوری ہے اور تقویٰ اس محنت کا اجر ہے۔ "العطایا بقدر البلایا" جیسی محنت ویسی بخشش۔ ہمارا روزہ جس قدر کامیاب ہو گا، ہمیں تقویٰ کے مراتب بھی اسی قدر حاصل ہوں گے اور تقویٰ کے باعث رضائے الٰہی کے حق دار ہوں گے۔

غرض کہ روزہ رکھ کر ہم تقویٰ شعار زندگی کا روحانی لطف اٹھا سکتے ہیں اور دارین کی سعادتوں سے مالا مال بھی ہو سکتے ہیں۔

تزکیۂ نفس و تطہیر باطن:

روزہ کے بنیادی اغراض و مقاصد میں سے ایک اہم مقصد "تزکیۂ نفس و تطہیر باطن" بھی ہے۔ تزکیۂ نفس، طہارت باطن اور اصلاح قلب کے لیے روزہ ایک موثر ترین ذریعہ ہے۔ روزے کا مہینہ یعنی رمضان المبارک میں اگرچہ شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں، مگر شیطان سے بڑھ کر انسان کا دشمن اس کا نفس آزاد رہتا ہے اور انسان کو طرح طرح کی برائیوں پر آمادہ کرتا ہے۔ جس طرح شیطان انسان کا دشمن ہے، اسی طرح نفس بھی انسان کا جان لیوا اور ایمان لیوا دشمن ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے:

"اعدیٰ عدوك نفسك اللتی بین جنبك."

ترجمہ: تمھارا سب سے بڑا دشمن تمھارا نفس ہے، جو تمھارے پہلو میں چھپا ہوا ہے۔

روزے کے ہتھیار سے اس سرکش نفس کو مارا جاتا ہے، تاکہ رمضان المبارک جیسے موسمِ خیر و برکت میں وہ بندوں کو بہکا نہ سکے۔

گیارہ مہینے تک انواع و اقسام کی غذا کھاتے کھاتے انسان کا نفس موٹا ہو جاتا ہے اور نفس کا موٹا پن انسان کو نیکیوں سے دور اور معصیت سے قریب تر کر دیتا ہے۔ پیٹ ایک ایسا جہنم ہے کہ اس میں جتنا بھی غذائی ایندھن ڈالو، وہ ہر آن "ہل من مزید" کا نعرہ لگاتا ہے اور جب مکمل طور سے پیٹ سیراب ہو جاتا ہے تو نفس کو برائی کا راستہ نظر آنے لگتا ہے اور وہ کسی وقت بھی برائی میں ملوث ہو جاتا ہے۔ نفس کو پاک و صاف بنانے کے لیے روزہ جیسی نفس شکن عبادت مقرر کی گئی ہے تاکہ روزہ نفس کو شرارت و خباثت سے بچا سکے۔ تجربہ شاہد ہے کہ جب آدمی کو بھوک لگتی ہے تو وہ سب کچھ چھوڑ کر پہلے اپنے پیٹ کی پوجا کرتا ہے۔ شدت بھوک کے سبب اسے روٹی، چاول کی فکر ہوتی ہے۔ زنا کاری و شراب نوشی کی فکر نہیں ہوتی اور یہ مشاہدہ بھی عام ہے کہ روزہ دار شخص حتی الامکان گناہوں سے دور و نفور اور نیکیوں میں مشغول و مصروف رہتا ہے کیوں کہ روزہ اس کے زمامِ وجود کو معصیت سے پھیر کر طاعت کی جانب موڑ دیتا ہے۔ روزے کی برکت سے انسان کا نفس مزکّی اور اس کا دل مصفّٰی ہو جاتا ہے۔ روزے کی برکت سے دل و دماغ میں ایک عجیب روحانی کیفیت پیدا ہو جایا کرتی ہے اور اس روحانیت کے اثرات روزے دار کے چہرے بشرے پر بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ روزہ تزکیۂ نفس اور تطہیرِ باطن کا ایک مضبوط ذریعہ ہے۔

روزے کے متعلق مشکوٰۃ شریف کی حدیث کا یہ ٹکڑا قابلِ توجہ ہے:

"فعلیه بالصوم فانه له وجاء."

یعنی جو نوجوان نان و نفقہ ادا کرنے کی صلاحیت نہ رکھنے کے باعث نکاح نہ کر سکے تو اسے چاہیے کہ وہ روزے رکھے، کیوں کہ روزہ شہوت کو توڑ دیتا ہے اور نفسانی خواہشات کو مٹا دیتا ہے۔

روزہ کے اندر وہ روحانی قوت موجود ہے کہ وہ شہوت کو توڑ دیتا ہے اور نفسانی خواہشات کو صرف قابو میں ہی نہیں رکھتا، بلکہ اسے ختم کر دیتا ہے۔ شہوت کا ٹوٹ جانا اور نفسانی خواہشات کا مٹ جانا، یہ تزکیۂ نفس و اصلاحِ باطن کا پہلا زینہ ہے۔ یہیں سے تزکیۂ نفس کی ابتدا ہوتی ہے اور انسان دھیرے دھیرے ملکوتی صفات کا حامل بن جایا کرتا ہے۔

تزکیۂ نفس کے باعث دل کا آئینہ صاف و شفاف ہو جایا کرتا ہے۔ اور دل کا شفاف آئینہ گناہوں کی سیاہی قبول کرنے سے اِبا کرتا ہے۔

تزکیۂ نفس یہ اسلامی تعلیمات کا بہت اہم جز ہے۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی نوری جماعت بنی نوع انسان کی تعلیم و تربیت اور تزکیۂ نفس ہی کے لیے دنیا میں جلوہ گر ہوئی اور تزکیۂ نفس بعثتِ انبیا کا

ایک بنیادی مقصد قرار پایا۔ انبیاے کرام کی آمد کا سلسلہ اب منقطع ہو چکا ہے، لیکن روزہ جیسی اہم عبادت کے ذریعہ آج بھی تزکیۂ نفس کا کام لیا جارہا ہے۔

روحانی امراض کا علاج:

روزہ یہ روحانی امراض سے نجات پانے کا ایک اہم ذریعہ ہے جو روزہ کے پاکیزہ مقاصد میں سے ایک ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کا جسم بھی بیمار ہوتا ہے اور قلب و روح بھی اور حقیقت یہ ہے کہ اس مادی دنیا میں جسمانی مریضوں کے مقابلے میں روحانی مریضوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن ہم یہ سوچنے کے لیے بھی تیار نہیں کہ وہ بیماریاں جو ہمارے قلب و روح کو مفلوج اور ناکارہ بنا رہی ہیں وہ کیا ہیں؟ چاہیے تو یہ تھا کہ ہم ان بیماریوں کا پتہ لگائیں پھر ان کے علاج کی طرف توجہ کریں، مگر افسوس ہم اس کی جانب توجہ نہیں دیتے! اگر ہمیں کوئی جسمانی بیماری لاحق ہوتی ہے تو ہم اس کے علاج کے لیے بلا تاخیر اچھے سے اچھے ڈاکٹر اور بہتر سے بہتر اسپتال اور شفاخانے کا رخ کرتے ہیں تاکہ جلد از جلد جسمانی مرض سے چھٹکارا مل سکے۔ رہی روحانی بیماری تو اولاً ہمیں اس کا پتہ بھی نہیں چلتا کہ یہ بھی کوئی بیماری ہے۔ اگر کسی طرح پتہ چل بھی گیا تو اس روحانی مرض کے علاج سے غفلت برتی جاتی ہے۔

قلب و روح کو بیمار کرنے والی چیزوں میں حسد، کینہ، ریا، غیبت، جھوٹ، چغلی، غیظ و غضب، تکبر، زنا، شراب اور جوا وغیرہ ہیں، جو فرد بشر ان میں سے کسی ایک میں مبتلا ہے تو گویا وہ روحانی طور پر بیمار ہے۔ اس مرضِ قلب و روح کے علاج کے لیے انسان کو چاہیے کہ کسی روحانی شفاخانے کا رخ کرے اور کسی روحانی نسخۂ کیمیا کو اپنائے تاکہ روحانی امراض کا خاطر خواہ علاج ہو سکے۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ روحانی شفاخانہ کہاں ہے؟ اور روحانی دوا و علاج کیا چیز ہے؟ تو سنیے! روحانی شفاخانہ اللہ کا گھر یعنی مسجدیں ہیں، مدارس اور خانقاہیں ہیں اور روحانی دوا و علاج اور روحانی مجرب نسخہ نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ ہیں۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ "اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَر" تو اس سے اسی روحانی مرض کے روحانی علاج کی جانب اشارہ ہے۔ قرآن مقدس بھی روحانی مرض کا ایک رحمانی علاج ہے۔

روزہ، یہ روحانی امراض سے نجات حاصل کرنے کا نہایت مفید، مؤثر اور تیر بہ ہدف روحانی نسخہ ہے۔ بھوکا پیاسا رہ کر اور رضاے مولا کی خاطر روزہ رکھ کر لاکھوں افراد نے اپنے روحانی امراض سے نجات پائی ہے۔ حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ: "بھوکا پیاسا رہ کر (یعنی روزہ رکھ کر) اپنے نفس کا مقابلہ کرو اور اس سے جنگ کرو۔"

انسان کے اندر خیر و شر دونوں کی صلاحیت رکھی گئی ہے۔ ملکوتیت و بہیمیت یہ دونوں صفتیں انسان میں موجود ہیں۔ صفتِ بہیمیت کا اثر براہِ راست نفس پر مرتب ہوتا ہے اور نفس (نفسِ امارہ) یہ تمام ناجائز خواہشوں کی جڑ، اخلاقی بیماریوں کا سرچشمہ اور گناہوں کا منبع ہے۔ ہر قسم کی برائیوں کے گدلے سوتے اسی نفسِ خبیث سے جاری ہوتے ہیں اور انسان کو ہلاکت و بربادی کے دہانے پر پہنچا دیتے ہیں، اس لیے حدیث میں فرمایا گیا کہ بھوکا رہ کر نفس کا مقابلہ کرو۔ شکم پُری ایک بڑی آفت ہے کہ بھر پیٹ کھانے کے بعد نفسانی خواہشات ابھرتی ہیں اور ہم بستری و شہوت رانی کا جذبہ دل میں انگڑائی لینے لگتا ہے۔ ہم بستری و شہوت رانی کا مرحلۂ شوق طے ہونے کے بعد طلبِ جاہ، شوکت و اقتدار اور مال و دولت کی رغبت زور پکڑتی ہے، نتیجتاً جاہ و جلال اور مال و منال کو بڑھانے کی فکر لاحق ہوتی ہے، جس سے لازمی طور پر حسد، رعونت اور حق تلفی جیسی مہلک بیماریاں انسان کے اندر جنم لیتی ہیں۔ دیکھا آپ نے؟ یہ ہے نتیجہ شکم پری یعنی اپنا پیٹ اور جہنم بھرنے کا۔

اس کے برعکس روزہ یعنی بھوکا رہنے سے انسان مذکورہ اخلاقی برائیوں اور روحانی امراض سے محفوظ رہتا ہے، کیوں کہ روزہ صرف کھانے پینے اور جماع سے رکنے کا نام نہیں، بلکہ ہر قسم کی برائیوں سے بچتے ہوئے اپنی پوری زندگی کو کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کے سانچے میں ڈھالنے کی "عملی تربیت" کا نام روزہ ہے۔ اس لیے شریعتِ مطہرہ نے پیٹ کا روزہ رکھنے کے ساتھ دیگر جسمانی اعضا ہاتھ، پاؤں، زبان اور آنکھ وغیرہ کے روزے کا بھی حکم دیا ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا:

"من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس لله حاجة أن یدع طعامه و شرابه."

(بخاری شریف، کتاب الصوم، حدیث:۱۹۰۳)

ترجمہ: جو شخص روزہ رکھنے کے باوجود قولاً و عملاً برائیوں سے باز نہ رہے تو اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کے روزے کی کوئی ضرورت نہیں۔

روزے کا بنیادی مقصد اخلاقی برائیوں اور روحانی بیماریوں سے نجات ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ انسان روزے کی حالت میں حتی

الامکان برائیوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، آخر کیوں؟ اسی لیے کہ یہ روزے کی برکت ہے اور یہی روزے کا مقصد ہے۔ غرض کہ روزے سے نہ صرف یہ کہ نفس کا تزکیہ ہوتا ہے، بلکہ اس کی بدولت انسان مادی خواہشات، حرص و ہوس، غیبت و چغلی جیسی بے شمار برائیوں سے نجات بھی حاصل کرلیتا ہے۔

نعمت کی قدر اور انسانی ہمدردی:

بنی نوعِ انسان پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے بے پناہ احسانات اور بے شمار انعامات ہیں۔ اگر بندہ اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ قوتِ فکر و عمل کا فنا و فقدان کسی بھی قوم کی شوکت کے زوال کا نقطۂ آغاز ہے۔

کسی بھی چیز سے متعلق غور و فکر اور اس کے سود و زیاں کے بارے میں احساس بہت بڑی چیز ہے۔ روزے کا ایک اہم مقصد انسان کی پژمردہ قوتِ فکر و احساس میں بیداری کی روح پھونکنا ہے۔ روزہ ہمیں نعمتِ الٰہی کی قدر و قیمت اور غربت و افلاس کی مار جھیل رہے لاکھوں غریب افراد کی ضرورت کا احساس دلاتا ہے اور آشفتہ حال انسانوں کے ساتھ ہمیں محبت و رواداری، ہمدردی و خیر سگالی کی تعلیم دیتا ہے۔

روزے کی حالت میں جب پیٹ خالی رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بھر پور احساس ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ہمیں ان ہزاروں فاقہ کش بھوکے انسانوں کی یاد آتی ہے جو غربت و فاقہ کشی کے عالم میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اس سے ہمارے دلوں میں صبر و شکر اور غربا پروری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور روزے کی برکت سے بندہ خدمتِ خلق جیسے اہم اور مقدس فریضے سے عہدہ برآ ہوتا ہے اور وہ آخرت میں رحمتِ الٰہی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے:

”الراحمون یرحمھم الرحمٰن إرحموا من فی الأرض یرحمکم من فی السماء“

ترجمہ: اللہ تبارک و تعالیٰ جو رحمٰن ہے وہ رحم کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے، لہٰذا زمین والوں پر رحم کرو، اللہ تعالیٰ تمھارے اوپر رحم فرمائے گا۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر　　خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

غرض کہ بندے کو بھوکا رکھ کر انفرادی و معاشرتی فلاح و بہبود کا ایک بہتر انتظام کیا گیا ہے اور روزے کی بدولت اخلاق و رواداری، انسانی ہمدردی اور خیر سگالی پر مشتمل دینی اقدار کا حامل ایک پاکیزہ اسلامی معاشرہ وجود میں لانے کی راہ ہموار کی گئی ہے۔

صحت و تندرستی اور بدن کی اصلاح:

روزہ یہ جسم و روح دونوں کا قدرتی مصلح اور صحتِ بدنی و صحتِ اخلاقی کا ضامن ہے۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو روحانی و جسمانی دونوں اعتبار سے انسان کے لیے مفید اور نفع بخش ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمانِ عالی شان آج بھی دنیا والوں کو بار بار صحت و تن درستی اور بدن کی اصلاح کی جانب متوجہ کر رہا ہے۔ فرمانِ رسالت ہے۔ ”صوموا تصحوا“ یعنی روزہ رکھو صحت یاب رہو گے۔ اس حدیثِ پاک کی صداقت پر دنیا بھر کے ماہر اطبا اور جدید میڈیکل سائنس گواہ ہے۔ ایک ماہر ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ ”کھانا پینا چھوڑنے سے ہضم کرنے والی طاقت فارغ ہو کر پوری طرح بدن کی صفائی میں لگ جاتی ہے اور ہر قسم کا زہریلا مادہ بدن سے نکال کر باہر کر دیتی ہے۔“

پیٹ کو ”بیت الامراض“ یعنی بیماریوں کا گھر کہا گیا ہے۔ پیٹ کا نظام درست ہو تو انسان خود بخود تندرست رہتا ہے اور جب پیٹ کا نظام بگڑ جاتا ہے تو انسان بھی فساد، مرض اور بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے صحت و تن درستی اور جسم کی باطنی اصلاح کے لیے آج کے ماہرین طب روزہ رکھنے اور بھوکا پیاسا رہنے پر زور دیتے ہیں اور رمضان المبارک کو ”جسم کی اوور ہالنگ“ کا مہینہ قرار دیتے ہیں۔

جسم ایک مشین کی طرح ہے، مشین اسی وقت صحیح کام کرتی ہے جب اس کے تمام پُرزے صحیح حالت میں ہوں۔ مشین کو صحیح حالت میں برقرار رکھنے کے لیے سروسنگ اور اوور ہالنگ کی ضرورت پڑتی ہے۔ روزہ جسم کی سروسنگ اور اوور ہالنگ کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں انسان بہت ساری بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ دمّہ، ذیابیطس، پیٹ درد، موٹاپا جیسی بیماریوں سے روزہ انسان کو بچاتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ روزہ بیک وقت بہت ساری جسمانی و روحانی بیماریوں کا مجرب علاج ہے۔ ہم روزہ رکھ کر مادی و روحانی فوائد و ثمرات حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں روزہ رکھنے کی توفیق دے۔ ☆

عاشقِ رسول

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مولانا محمد ساجد علی مصباحی

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقریباً دس سال تک حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کرتے رہے، مقصد تھا اپنے لیے دعائے مغفرت کرانا۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام و نسب :

آپ کا نام "اویس" اور کنیت " ابو عمرو" ہے[بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی کنیت " ابو عبد اللہ " ہے]آپ کے والد کا نام "عامر بن جریر بن مالک" ہے۔آپ ملک یمن کے مشہور قبیلہ "مراد" کی ایک شاخ "قرن" کے ایک فرد ہیں ،اسی مناسبت سے آپ کو "قرنی، مرادی اور یمنی" کہا جاتا ہے۔یہ شاخ "قرن بن ردمان بن ناجیہ بن مراد" کی طرف منسوب ہے ۔(سير أعلام النبلاء ،ج٤،ص ١٩، المكتبة الشاملة /الأعلام للزركلي،ج ٢،ص ٣٢،المكتبة الشاملة.)

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب:

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور رحمتِ عالم ﷺ کی جانب سے جو لقب عطا ہوا وہ " خیر التابعین " ہے ،امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" إِنَّ خَيْرَ التَّابِعِينَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: أَوَيْسٌ. وَلَهُ وَالِدَةٌ، وَكَانَ بِهِ بَيَاضٌ، فَمُرُوْهُ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمْ".

(صحيح مسلم ،باب من فضائل أويس القرني رضي الله تعالىٰ عنه ،رقم الحديث ٤٦١٢،ج ١٢،ص ٣٧٢، المكتبة الشاملة.)

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حلیہ شریف:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے ان کا حلیہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"أشهل، ذو صهوبة، بعيد ما بين المنكبين، معتدل القامة، آدم شديد الأدمة،ضارب بذقنه إلى صدره،رام ببصره إلى موضع سجوده،واضع يمينه على شماله،يتلو القرآن،يبكي على نفسه،ذو طمرين،لا يؤبه له،متزر بازار صوف ورداء صوف،مجهول في أهل الأرض، معروف في السماء،لو أقسم على الله لأبر قسمه،ألا وإن تحت منكبه الأيسر لمعة بيضاء". (صفة الصفوة،ذكر المصطفين من أهل الكوفة من التابعين ومن بعدهم،ج ٣،ص ٤٥، المكتبة الشاملة.)

[ترجمہ] اس کی آنکھیں سیاہ مائل بسرخی اور بال سرخ و سفید ہیں ،اس کا سینہ کشادہ، قد میانہ اور رنگ خوب گندمی ہے ،وہ اپنی ٹھوڑی سینہ کی طرف جھکائے رہتا ہے اور نگاہ سجدہ کی جگہ جمائے رہتا ہے ،اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتا ہے ،قرآن کی تلاوت کرتا ہے ،اپنے پر روتا ہے، اس کے اوپر دو پرانے کپڑے ہیں، اسے کوئی شخص اہمیت نہیں دیتا ہے ،اس کا لباس ایک اونی ازار اور ایک اونی چادر ہے ،وہ زمین والوں کے مابین گمنام اور آسمان میں مشہور و معروف ہے، اللہ کی بارگاہ میں اس کی یہ شان ہے کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھالے تو ضرور اللہ جل شانہ اسے پوری فرمادے گا، سنو!اس کے بائیں مونڈھے کے نیچے سفید نشان ہے۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبادت و ریاضت :

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبادت و ریاضت میں بڑی انفرادی شان کے حامل تھے، پوری پوری رات صرف قیام یا صرف رکوع یا صرف سجدہ میں گزار دیتے تھے۔

☆ حضرت ابراہیم بن عیسیٰ یشکری کا بیان ہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:"میں زمین میں اللہ جل شانہ کی اس طرح عبادت کروں گا جس طرح فرشتے آسمان میں اس کی عبادت کرتے ہیں"۔

☆ ان کا معمول تھا کہ جب رات ہوتی تو کہتے: اے نفس !آج کی رات قیام کی رات ہے، اور صبح تک قیام میں رہتے، پھر دوسری رات ہوتی تو کہتے: اے نفس !آج کی رات تو رکوع کی رات ہے، اور وہ رکوع ہی رہتے یہاں تک کہ صبح ہوجاتی، تیسری رات آتی تو کہتے: اے نفس !آج کی رات سجدہ کی رات ہے، اور وہ سجدہ میں پڑے رہتے یہاں تک کہ صبح ہوجاتی۔ (مختصر تاريخ دمشق،ج ٢،ص ١٣٧ ، المكتبة الشاملة)

☆ حضرت ربیع بن خثیم کا بیان ہے کہ ایک دن میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ نمازِ فجر میں مشغول ہیں ،میں اس

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

خیال سے کہ ان کی تسبیح وتہلیل میں خلل نہ ہو، ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا، وہ ظہر کی نماز تک برابر تسبیح وتہلیل میں مشغول رہے، ظہر کی نماز کے لیے اٹھے اور نماز پڑھ کر پھر وظیفہ میں مشغول ہوگئے، عصر سے مغرب اور مغرب سے عشا، پھر فجر تک ان کا یہی حال رہا، دوسرے دن نماز فجر کے بعد تسبیح وتہلیل کے لیے بیٹھے تو کچھ نیند کا غلبہ ہوا، تو انھوں نے اس طرح دعا کی: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں زیادہ سونے والی آنکھ اور نہ بھرنے والے پیٹ سے۔ یہ حال دیکھ کر میں نے کہا: جو کچھ میں نے دیکھا، اتنا ہی کافی ہے، پھر میں واپس لوٹ آیا۔

☆ ایک شخص نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر پوچھا: اے ابو عبد اللہ! کیا بات ہے، آپ بیمار لگ رہے ہیں؟ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اویس بیمار کیوں نہیں ہوگا، مریض کھانا کھاتا ہے اور اویس نہیں کھا رہا ہے، مریض سوتا ہے اور اویس کو نیند نہیں آرہی ہے۔
(إحياء علوم الدين، ج۷، ص ٦٤، المكتبة الشاملة.)

☆ حضرت اسیر بن جابر کا بیان ہے کہ ہم کوفہ میں ایک حلقۂ ذکر میں شریک ہوتے تھے جس میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہوتے تھے اور جب وہ ذکر کرتے تو دلوں پر سب سے زیادہ اثر ان ہی کے ذکر کا ہوتا تھا۔ (المستدرك على الصحيحين للحاكم، ذكر مناقب او يس بن عامر القرني رضي الله تعالى عنه، ج۳، ص ٤٥٦، المكتبة الشاملة)

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دنیا سے بے رغبتی:

☆ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دنیا سے بے رغبتی کا عالم یہ تھا کہ جب شام ہوتی تو گھر میں بچا ہوا کھانا اور کپڑا خیرات کردیتے، پھر اس طرح دعا کرتے: اے اللہ! جو شخص بھوکا مرجائے اس پر میری گرفت نہ فرما، اے اللہ! جو شخص ننگا مرجائے اس پر میری گرفت نہ فرما۔

☆ ان کا معمول یہ بھی تھا کہ جب رات اپنے دامن پھیلا دیتی تو وہ اس طرح عرض کرتے: اے اللہ! میں ہر بھوکے جگر اور ننگے بدن سے تیری بارگاہ میں معذرت چاہتا ہوں، اے اللہ! میرے پاس جو کچھ بھی ہے اسے تو خوب جانتا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق، ج۲، ص۱۳۸، المکتبۃ الشاملۃ۔)

☆ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرفات میں ان (حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ملے، دونوں کے درمیان کچھ دیر گفتگو ہوئی، اس کے بعد امیر المومنین نے ان سے فرمایا: آپ اسی جگہ میرا انتظار فرمائیں؛ تاکہ میں مکہ مکرمہ جاکر آپ کے لیے کچھ پیسے اور کچھ کپڑے وغیرہ لے آؤں، ہمارے اور آپ کے درمیان یہ جگہ ملنے کے لیے طے ہے۔

اس پر انھوں نے عرض کیا: حضور! آپ تکلف نہ فرمائیں، شاید! آج کے بعد میں آپ کی زیارت نہ کرسکوں، اور ویسے بھی میں کپڑوں اور پیسوں کا کیا کروں گا؟ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ میرے پاس اون کا ازار ہے اور اون کی چادر بھی ہے، میں انھیں پھاڑ تو نہیں دوں گا، اور یہ دیکھیں میرے جوتے سلے ہوئے ہیں، میں اتنی جلدی انھیں بیکار تھوڑا ہی کروں گا، باقی رہا پیسوں کا مسئلہ تو میں نے اونٹوں کی رکھوالی اور چرائی کے بدلے چار درہم حاصل کرلیے ہیں جو میرے لیے کافی ہیں۔

اے امیر المومنین! یقینا میرے اور آپ کے سامنے ایک تنگ اور دشوار گزار گھاٹی ہے، جسے صرف کمزور، ہلکے جسم والے اور ضعیف لوگ ہی عبور کرسکیں گے؛ لہٰذا ہو سکے تو اپنے آپ کو ہلکا کرلیں، اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے۔ (صفۃ الصفوۃ، ج۳، ص۴۷، ۴۸، مکتبۃ شاملہ)

علقمہ بن مرثد حضرمی کا بیان ہے کہ تابعین کرام میں آٹھ افراد ایسے ہیں جن پر زہد (دنیا سے بے رغبتی) کی انتہا ہے، وہ حضرات یہ ہیں: عامر بن عبد قیس، اویس قرنی، ہرم بن حیان عبدی، ربیع بن خثیم ثوری، ابو مسلم خولانی، اسود بن یزید، مسروق اور حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حضرت سفیان ثوری نے فرمایا کہ حضرت اویس قرنی کہتے تھے: اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں ہر بھوکے جگر اور ننگے بدن سے معذرت چاہتا ہوں، میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے سوائے اس لباس کے جو میرے جسم پر ہے اور اس غذا جو میرے پیٹ میں ہے۔
(الوافی بالوفیات ج۳، ص۳۱۹، المكتبة الشاملة)

اسیر بن جابر سے ایک روایت یہ ہے کہ کوفہ میں ایک محدث تھے جو ہمیں حدیث شریف پڑھاتے تھے، جب وہ درس حدیث سے فارغ ہوتے تو کچھ لوگ اٹھ کر چلے جاتے اور کچھ لوگ اپنی جگہ بیٹھے رہتے اس جماعت میں ایک شخص تھا جو ایسی گفتگو کرتا تھا کہ میں نے ویسی گفتگو کسی اور سے نہیں سنی، میں اس شخص کے پاس آتا تھا، ایک دن وہ شخص غائب ہوگیا، میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: کیا آپ اس شخص کو پہچانتے ہیں جو ہمارے ساتھ بیٹھتا تھا اور ایسی ایسی باتیں کرتا تھا؟ ایک شخص نے کہا: میں اسے پہچانتا ہوں، وہ اویس قرنی ہیں۔ میں نے پوچھا: تمھیں ان کے گھر کا پتا معلوم ہے؟ اس نے کہا: ہاں! میں جانتا ہوں۔ چنانچہ میں نے اس شخص کے ہمراہ جاکر ان کے حجرہ کا دروازہ کھٹکھٹایا، حضرت اویس قرنی سامنے آئے۔ میں نے پوچھا: بھائی جان! آپ کو ہمارے پاس آنے سے کس چیز نے منع کیا؟ انھوں نے فرمایا: برہنہ ہونے نے۔

ان کے ساتھی ان سے تمسخر کرتے تھے اور انھیں رنجیدہ کرتے تھے، میں نے اپنی چادر پیش کرتے ہوئے کہا: یہ چادر لے لیں اور

پہن لیں ۔ وہ کہنے لگے : اس طرح نہ کرو ؛ اس لیے کہ جب میرے ساتھی یہ کپڑا میرے جسم پر دیکھیں گے تو میرا دل دُکھائیں گے ۔

میں نے اصرار کیا تو انھوں نے وہ کپڑا پہن لیا اور باہر تشریف لے آئے ۔ ساتھیوں نے دیکھا تو کہنے لگے : یہ کپڑا کس کو دھوکہ دے کر حاصل کیا ہے اور کسے لوٹا ہے ؟ فرمانے لگے : دیکھ رہے ہو کہ کیا کہتے ہیں ۔

میں نے ان کے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا : تم لوگ ان سے کیا چاہتے ہو اور انھیں کیوں اذیت دیتے ہو ؟ آدمی کے پاس کبھی کپڑا نہیں ہوتا اور کبھی اسے کپڑا مل جاتا ہے ۔ اس طرح میں نے زبانی گفتگو کے ذریعہ ان پر سخت گرفت کی ۔ (اشعۃ اللمعات مترجم، ج ۷، ص ۶۱۲،۶۱۱، ملخصا، جیلانی بک ڈپو، دھلی)

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”بے شک اللہ عزوجل اپنے بندوں میں سے انھیں پسند فرماتا ہے جو مخلص ، گمنام اور پرہیز گار ہوتے ہیں ، جن کے بال پراگندہ ، چہرے گرد آلود اور بھوک کی وجہ سے پیٹ کمر سے ملے ہوئے ہوتے ہیں ، اگر وہ امرا اور اہل ثروت کے پاس جانا چاہیں تو انھیں اجازت نہ ملے ، اگر وہ خوش حال اور مال دار خواتین سے نکاح کا پیغام دیں تو اسے قبول نہ کیا جائے ، اگر وہ کسی محفل میں موجود نہ ہوں تو کوئی ان کے متعلق معلوم نہ کرے ، اور اگر وہ محفل میں آجائیں تو کوئی ان کی آمد سے خوش نہ ہو ، اگر وہ بیمار ہو جائیں تو کوئی ان کی عیادت نہ کرے ، اور جب مرجائیں تو لوگ ان کے جنازہ میں شریک نہ ہوں ۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا : یا رسول اللہ ! ایسے لوگوں سے ہماری ملاقات کیسے ہو سکتی ہے ؟ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا : اویس قرنی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ان ہی لوگوں میں سے ہیں “ ۔

(مختصر تاریخ دمشق، ج ۲، ص ۱۳۴، ملخصا، المکتبۃ الشاملۃ)

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالت شان:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا : ”قیامت کے دن نیک لوگوں سے کہا جائے گا : تم لوگ جنت میں داخل ہو جاؤ ، لیکن اویس قرنی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے کہا جائے گا : تم ٹھہر جاؤ اور لوگوں کی شفاعت کرو ، تو اللہ عزوجل قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کے لوگوں کی تعداد کے برابر گنہ گاروں کے حق میں ان کی شفاعت قبول فرمائے گا “ ۔

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا : جب بھی تم دونوں کی ملاقات اویس قرنی سے ہو ، تو اس سے اپنے لیے دعاے مغفرت کروانا ۔ (التدوین فی أخبار قزوین، ج ۱، ص ۳۳، المکتبۃ الشاملۃ ۔)

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاش و جستجو:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تقریباً دس سال تک حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کرتے رہے ، لیکن تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے ۔ پھر جس سال امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا ، اسی سال حج کے موقع پر انھوں نے جبل ابو قبیس پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارا :

اے یمن سے آنے والے حاجیو ! کیا تم میں کوئی اویس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نامی شخص موجود ہے ؟ یہ سن کر ایک لمبی داڑھی والا بوڑھا شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا : ہم نہیں جانتے کہ آپ کس اویس کے متعلق پوچھ رہے ہیں ؟ لیکن میرا ایک بھتیجا ہے جس کا نام اویس ہے ، جو انتہائی گمنام اور غریب آدمی ہے ، وہ ایک عام سا آدمی ہے ، وہ اس قابل نہیں کہ ہم اسے آپ کی بارگاہ میں پیش کریں ، وہ تو ہمارا چرواہا ہے ، ہمارے درمیان اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ۔

یہ سن کر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ انجان بن گئے ، ایسا لگ رہا تھا کہ یہ ” اُویس “ ان کا مطلوب نہیں ہے ، اور اس بوڑھے شخص سے پوچھا کہ تمھارا یہ بھتیجا کہاں ہے ؟ کیا وہ ہمارا کام کرے گا ؟ اس بوڑھے شخص نے کہا : ہاں ۔ آپ نے پوچھا : اس وقت وہ کہاں ملے گا ؟ اس نے کہا : عرفات میں پیلو کے درختوں کے پاس اس سے ملاقات ہو سکتی ہے ۔

یہ سن کر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تیزی سے عرفات کے درختوں کی طرف چل پڑے ، جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ عاشقِ صادق ایک درخت کے نیچے نماز پڑھ رہا ہے ، اور اونٹ اس کے ارد گرد چر رہے ہیں ۔ یہ دیکھ کر یہ دونوں حضرات اپنی سواریوں سے نیچے اتر آئے اور اس عاشقِ صادق کے پاس آکر سلام کیا ، تو اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز مختصر کردی اور نماز سے فارغ ہو کر سلام کا جواب دیا ۔

ان دونوں بزرگوں نے ان سے پوچھا : آپ کون ہیں ؟ انھوں نے جواب دیا : میں اپنی قوم کا مزدور اور اونٹوں کا چرواہا ہوں ۔ ان دونوں حضرات نے فرمایا : ہم آپ سے ان چیزوں (چرانے اور مزدوری) کے متعلق نہیں پوچھ رہے ہیں ، بلکہ یہ بتائیں ، آپ کا نام کیا ہے ؟ انھوں نے جواب دیا : میں عبد اللہ (یعنی اللہ عزوجل کا بندہ) ہوں ۔ ان دونوں نے فرمایا : یہ تو ہم بھی جانتے ہیں کہ زمین و آسمان میں موجود تمام لوگ اللہ

عزوجل ہی کے بندے ہیں۔آپ اپنا وہ نام بتائیں جو آپ کی والدہ نے رکھا ہے؟

یہ سن کر حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: آپ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ توان دونوں نے فرمایا: اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں اویس قرنی کے متعلق چند نشانیاں بتائی ہیں۔،ہم نے بالوں اور آنکھوں کی رنگت کے متعلق بتائی ہوئی نشانیاں توآپ کے اندر پالیں، لیکن سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک نشانی اور بتائی تھی کہ اس کے داہنے مونڈھے کے نیچے ایک سفید نشان ہوگا۔لہذا آپ ذرا اپنا داہنا مونڈھا ہمیں دکھادیں،اگر وہ نشان موجود ہوا تو ہم پہچان جائیں گے کہ آپ ہی وہ اویس قرنی ہین جن کے متعلق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔

یہ سن کر حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مونڈھے سے چادر ہٹائی توان کے مونڈھے کے نیچے سفید نشان موجود تھا۔نشان دیکھتے ہی ان دونوں حضرات نے لپک کر حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بوسہ دیا اور فرمایا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہی وہ اویس قرنی ہیں جن کے متعلق ہمیں سرکار نے خبر دی ہے۔اللہ عزوجل آپ کی مغفرت فرمائے،آپ ہمارے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ یہ سن کر حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: میں نہ تو صرف اپنے لیے استغفار کرتا ہوں اور نہ ہی کسی فردِ معین کے لیے،بلکہ میں تو ہر مومن مرد و عورت کے لیے استغفار کرتا ہوں۔

آپ لوگوں پر اللہ عزوجل نے میرا حال منکشف اور معاملہ واضح فرمادیا ہے ، اب آپ اپنے متعلق بتائیں کہ آپ دونوں حضرات کون ہیں ؟ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا: یہ امیر المومنین عمر بن خطاب ہیں اور میں علی بن ابوطالب ہوں۔ یہ سنتے ہی حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باادب کھڑے ہوگئے اور عرض کیا: السلام عليك ياأمير المؤمنين ورحمة الله وبركاته، وأنت يا علي بن أبي طالب فجزاكما الله عن هذه الأمة خيرا۔

یعنی اے امیر المومنین !اور اے علی بن ابوطالب !آپ دونوں پر اللہ عزوجل کی جانب سے سلامتی ، رحمت اور برکت نازل ہو اور اللہ جل شانہ آپ دونوں کو اس امت کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ان دونوں حضرات نے فرمایا: اللہ عزوجل آپ کو آپ کی ذات کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے ۔(صفۃ الصفوۃ، ج۳،ص ۴۴ تا ۴۷، ملخصًا، المکتبۃ الشاملۃ/التدوین فی أخبار قزوین، ج۱، ص ۳۲، ۳۳، ملخصًا، المکتبۃ الشاملۃ/مختصر تاریخ دمشق، ج۲، ص۱۳۴، ۱۳۵، ملخصا، المکتبۃ الشاملۃ۔)

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل ومناقب :

امام سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اسیر بن جابر سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یمن کے لوگ حاضر ہوتے تو آپ پوچھتے :کیا تم میں اویس بن عامر ہیں؟ یہاں تک کہ ان میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پہنچ گئے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: کیا آپ اویس بن عامر ہیں ؟ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں ! میں اویس بن عامر ہوں ۔امیر المومنین نے پوچھا: کیا آپ قبیلۂ مراد ،پھر قرن سے ہیں ؟ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں !ایسا ہی ہے ۔امیر المومنین نے پوچھا: آپ کو برص (سفید داغ) کی بیماری تھی جو ختم ہوگئی ،سوائے ایک درہم کی جگہ کے ؟انھوں نے عرض کیا: جی ہاں !ایسا ہی ہے۔امیر المومنین نے پوچھا: کیا آپ کی والدہ موجود ہیں ؟انھوں نے عرض کیا: جی ہاں ۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اویس بن عامر تمھارے پاس یمن کے وفد کے ساتھ آئیں گے ،وہ قبیلۂ مراد ،پھر قرن سے ہوں گے ،ان کو برص کی بیماری تھی جو ختم ہوگئی، سوائے ایک درہم کی جگہ کے ،ان کی والدہ موجود ہیں جن کی وہ خدمت کرتے ہیں ،اگر وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری فرما دے گا،اگر تم سے ہوسکے تو ان سے دعاے مغفرت کروانا۔ لہذا اے اویس !آپ میرے لیے دعاے مغفرت کریں ۔

یہ سن کر حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین! کیا مجھ جیسا آدمی آپ کے لیے دعات مغفرت کرے ؟امیر المومنین نے فرمایا: آپ ضرور میرے لیے دعاے مغفرت کریں۔ چنانچہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے دعاے مغفرت کی۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: آپ کہاں جانا چاہتے ہیں ؟ انھوں نے عرض کیا: میں کوفہ جانا چاہتا ہوں ۔ امیر المومنین نے فرمایا: میں آپ کے لیے کوفہ کے گورنر کے نام مکتوب لکھ دوں ؟ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے : میرے نزدیک یہ بات زیادہ محبوب ہے کہ میں پیچھے رہنے والے لوگوں میں رہوں ۔

آئندہ سال یمن کا ایک معزز آدمی حج کے لیے آیا اور اس نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی ،امیر المومنین نے اس سے حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال معلوم کیا اور پوچھا کہ ان کا کیا حال ہے ؟ اس شخص نے کہا: میں نے انھیں اس حال میں چھوڑا کہ ان کے کپڑے پرانے اور سامان معمولی تھا۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی۔

وہ شخص حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ میرے لیے دعاے مغفرت فرمائیں۔ انھوں نے فرمایا: آپ میرے لیے دعاے مغفرت کریں؛ کیوں کہ آپ مبارک سفر سے آئے ہیں۔

اس شخص نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سنائی اور دوبارہ درخواست کی کہ میرے لیے دعاے مغفرت فرمائیں، چنانچہ انھوں نے اس شخص کے لیے مغفرت کی دعا کی۔

اس واقعہ سے لوگوں نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہچان لیا اور ان کی حقیقت حال سے آگاہ ہوگئے، تو انھوں نے وہ جگہ ہی چھوڑ دی اور دوسری جگہ چلے گئے۔ یہ روایت ابن سعد نے "طبقات" میں اور ابو نعیم نے "حلیۃ الاولیاء" میں اور امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں بیان کی ہے۔(اشعۃ اللمعات مترجم، ج۷، ص۶۱۱، ۶۱۰، ملخصًا، جیلانی بک ڈپو، دہلی۔)

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت :

ابو یعقوب غازی کا بیان ہے کہ میں نے خواب دیکھا کہ ایک بہت لمبے آدمی ہیں جن کا رنگ گندمی ہے اور بہت سے لوگ ان کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ اویس قرنی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں، یہ سن کر میں بھی ان کے ساتھ ہوگیا اور ان سے عرض کیا: آپ مجھے کوئی وصیت فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ تو انھوں نے فرمایا: تم اللہ عزوجل کی محبت کے وقت اس کی رحمت طلب کرو اور گناہ کرتے وقت اس کا عذاب یاد رکھو اور تم کسی حال میں بھی اللہ عزوجل سے ناامید نہ ہو، پھر وہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔(شعب الایمان، الرجاء من اللہ تعالیٰ، رقم الحدیث ۱۰۳۴، ج۲، ص۳۴۷، المکتبۃ الشاملۃ۔)

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات :

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے سلسلے میں مختلف اور متضاد روایتیں ملتی ہیں، ان میں بعض درج ذیل ہیں:

☆مختصر تاریخ دمشق میں ہے: حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے دورِ خلافت میں ان کے ساتھ "جنگِ صفین" میں شامل ہوئے اور اسی میں شہید ہوگئے ،بعد شہادت لوگوں نے دیکھا تو ان کے جسم پر تلوار، تیر اور نیزے کے چالیس سے زائد زخم تھے۔(مختصر تاریخ دمشق، ج۲، ص۱۳۶، المکتبۃ الشاملۃ۔)

☆ تاریخ ابن اثیر میں ہے: حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ "صفین" میں شہید ہوئے، اور ایک قول یہ ہے کہ "دمشق" میں ان کی وفات ہوئی، اور ایک قول یہ ہے کہ "ارمینیہ" میں وفات ہوئی، اور ایک قول یہ ہے کہ "سجستان" میں وفات ہوئی۔

(الکامل فی التاریخ لابن اثیر، ج۲، ص۷۸، المکتبۃ الشاملۃ.)

☆الوافی بالوفیات میں ہے:

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المومنین ۳۷ھ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں جنگ کرتے ہوئے "صفین" میں شہید ہوئے۔

ایک قول یہ ہے کہ "دمشق" میں ان کی وفات ہوئی، اور ان کی قبر "مقابر جابیہ" میں ہے جو مشہور و معروف ہے۔ حضرت ہرم بن حیان علیہ الرحمۃ نے انھیں دمشق کی مسجد میں دیکھا کہ وہ ایک جبہ میں لپٹے پڑے ہیں اور ان کا انتقال ہو چکا ہے، انھوں نے جبہ ہٹایا تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، پھر ان کے کفن دفن کا انتظام و اہتمام کیا۔

☆ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی اور ایک قول یہ ہے کہ وہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی معیت میں "جنگ صفین" میں شامل ہوئے اور اسی میں ان کی شہادت ہوئی ،بعد میں لوگوں نے دیکھا تو ان کے جسم پر چالیس سے زائد زخم تھے۔

☆ ایک قول یہ ہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ "آذربیجان" کی جنگ میں شریک ہوئے اور اسی میں ان کا انتقال ہوگیا، ان کے اصحاب نے ان کی قبر تیار کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کی کوشش کی تو انھوں نے جیسے ہی تھوڑی سی زمین کھودی تو دیکھا کہ ایک چٹان ہے جس میں بغلی قبر تیار ہے، یوں ہی ان کے کفن کا انتظام کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کی کوشش کی تو دیکھا کہ ان کی گٹھری میں چند کپڑے ہیں جو انسانوں کے تیار کردہ نہیں ہیں، تو ان کے اصحاب نے انھیں ان ہی کپڑوں میں کفنایا اور اسی قبر میں دفن کر دیا۔

☆ایک قول یہ ہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال "جزیرہ" میں ہوا، اور بعض نے کہا کہ ان کا انتقال "سجستان" میں ہوا، بعض کا قول ہے کہ "نہاوند" کی جنگ میں شہید ہوئے اور بعض مورخین کا قول یہ ہے کہ "ارمینیہ" کی سرحد کی طرف جنگ کے لیے تشریف لے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔(الوافی بالوفیات، ج۳، ص۳۱۹، مکتبۃ شاملہ)

اللہ تبارک و تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کا انتقال کہاں ہوا اور ان کی قبر کہاں ہے، ہم تو بس اتنا جانتے ہیں کہ وہ اپنی حیاتِ ظاہری میں نام و نمود سے بیزار رہے اور گمنامی کی زندگی اختیار کی تو اللہ جلَ شانہ نے اس دار فانی سے کوچ کرنے کے بعد ان کی قبر اطہر کو عوام کی نظروں سے روپوش ہی رکھا۔ خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را۔

دعا ہے کہ رب قدیر ان کے فیوض و برکات سے ہمیں وافر حصہ عطا فرمائے اور ہم سے ہمیشہ وہ کام لے جس میں اس کی اور اس کی حبیب علیہ التحیۃ والثناء کی رضا ہو۔ آمین ☆☆☆☆

حضرت علامہ مفتی محمد ارشاد حسین فاروقی مجددی رام پوری
حیات وخدمات

ولادت: ۱۴ر صفر ۱۲۴۸ھ - وفات: ۸ر جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ

مولانا نفیس احمد مصباحی

نام ونسب: آپ کا نام محمد ارشاد حسین، والد کا نام مولوی حکیم احمد حسین اور دادا کا نام غلام محی الدین تھا۔ آپ کا نسب نو واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی ملتا ہے۔ نسب نامہ یہ ہے۔

"مفتی ارشاد حسین بن مولوی حکیم احمد حسین بن غلام محی الدین بن فیض احمد بن شاہ کمال الدین بن شیخ درویش احمد بن شیخ زین العابدین معروف بہ شاہ فقیر اللہ بن شیخ فیاض الدین بن یوسف بن شاہ محمد یحییٰ بن امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی"۔ (۱)

حضرت شاہ محمد یحییٰ، حضرت مجدد الف ثانی کے سب سے چھوٹے صاحب زادے ہیں۔ حضرت مجدد قدس سرہ کا سلسلۂ نسب اکتیس واسطوں سے امیر المومنین حضرت فاروق اعظم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ (۲) اس طرح مفتی محمد ارشاد حسین مجددی کے سلسلۂ نسب میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اکتالیس واسطے ہوتے ہیں۔

خاندانی حالات: آپ کے بزرگوں کا مسکن سرہند شریف (پنجاب) تھا۔ سکھوں کے ظلم وتعدی کے بعد وہاں سے ہجرت کرکے بریلی شریف آگئے۔ پھر آپ کے دادا شیخ غلام محی الدین بریلی سے رام پور تشریف لائے۔ (۳) اور محلہ کھیر سیف الدین خاں میں سیف الدین خاں کے محلات میں سے ایک محل چار ہزار روپے میں خرید کر رام پور میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ پھر شیخ غلام محی الدین کی شہادت کے بعد ان کی والدہ ماجدہ نے کھیر سیف الدین خاں کا مکان فروخت کردیا اور رام پور ہی میں محلہ پیلا تالاب پر اپنے مائیکے میں رہنے لگیں۔ (۴)

ولادت: آپ کی ولادت ۱۴ر صفر ۱۲۴۸ھ کو محلہ پیلا تالاب، شہر رام پور، یوپی میں ہوئی۔ (۵)

تعلیم: آپ نے فارسی زبان وادب کی کتابیں اپنے والد ماجد حکیم احمد حسین مجددی، بڑے بھائی مولانا انداد حسین مجددی اور شیخ احمد علی سے پڑھیں۔ اور عربی صرف ونحو کی تعلیم حافظ غلام نبی، مولوی جلال الدین اور مولوی نصیر الدین خاں سے حاصل کی۔ پھر لکھنؤ جاکر وہاں کے علما واساتذہ سے علوم نقلیہ کی کتابیں پڑھیں۔ پھر وطن واپس ہوکر ملا محمد نواب خاں بن سعد اللہ خاں افغانی (تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی ومرید شاہ احمد سعید مجددی دہلوی) سے علوم عقلیہ وغیرہ کی باقی ماندہ کتابیں پڑھیں۔ (۶)

اسی زمانے میں ملا محمد نواب خاں افغانی مجددی، نواب کلب علی خاں کی تعلیم پر مامور تھے۔ اسی وجہ سے مفتی محمد ارشاد حسین مجددی کا نواب کلب علی خاں کی مجلس میں ان کے ساتھ نشست وبرخاست بھی ہوتی تھی۔ دوسری جانب نواب کلب علی خاں کو مذہب شیعہ امامیہ کی تعلیم دینے کے لیے ان کے دادا نواب محمد سعید خاں والی ریاست رام پور نے دو شیعہ مجتہد، قرر کر رکھے تھے۔ وہ مجتہد نواب کلب علی خاں کو جو بھی عقائد امامیہ کی تعلیم دیتے مفتی ارشاد حسین صاحب اسے نواب صاحب کے دل سے محو کردیتے تھے۔ اس طرح ان شیعہ، جتہدوں کی ساری محنت و کوشش بے کار ہوجاتی تھی۔ ان شیعہ مجتہدوں نے نواب محمد سعید خاں سے اس کی شکایت کی تو نواب کلب علی خاں کو ملا محمد نواب علی خاں مجددی کی صحبت واستفادہ سے روک دیا گیا۔ (۷)

جب ملا محمد نواب خاں کی آمد ورفت نواب صاحب کے یہاں سے بند ہوئی تو ان کے شاگرد مفتی ارشاد حسین مجددی کا آنا جانا بھی بند ہوگیا۔ اس طرح نواب کلب علی خاں دونوں کی فیض صحبت سے محروم ہوگئے۔

مگر اس صحبت کیمیا اثر کے گہرے اثرات نواب صاحب کی لوح قلب پر

---

(۱) تذکرہ کاملان رام پور، ص: ۳۰۔ مگر نزہتہ الخواطر (ج: ۸، ص: ۴۹) میں حکیم عبد الحئی رائے بریلی نے آپ کا جو نسب نامہ ذکر کیا ہے۔ اس میں حضرت مجدد الف ثانی تک صرف سات واسطے ہیں، شاہ فقیر اللہ کے بعد شیخ فیاض الدین اور یوسف کا ذکر نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالحق والصواب.

(۲) مشایخ نقش بندیہ، ص: ۳۷۴، بحوالہ مقامات خیر، ص: ۳۳

(۳) تذکرہ کاملان رامپور، ص: ۳۰

(۴) مولانا ارشاد حسین مجددی، حیات۔ خدمات۔ ص: ۱۰

(۵) مصدر سابق

(۶) تذکرہ کاملان رام پور، ص: ۳۰

(۷) تذکرہ کاملان رام پور، ص: ۳۰، مولانا ارشاد حسین مجددی رام پوری، حیات خدمات، ص: ۱۲، بحوالہ معارف عنایتیہ، ص: ۱۱۶

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

مرسم ہو چکے تھے۔ ان کے اندر حق پسندی اور حق بیانی کے اوصاف پیدا ہو چکے تھے، جو کسی مجتہد کے مٹانے سے مٹ نہ سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آگے چل کر نواب کلب علی خاں عقائد شیعہ سے تائب ہو کر متصلب سنی حنفی مجددی نقش بندی بن گئے۔ (۸)

دہلی روانگی اور تعلیم کی تکمیل: مذکورہ واقعے کے بعد جب ملا محمد نواب خاں افغانی مجددی دہلی تشریف لے گئے تو اپنے استاد کے ہمراہ مفتی ارشاد حسین قدس سرہ بھی رام پور سے دہلی چلے گئے اور دہلی میں رہکر اپنے استاد گرامی سے برابر علمی استفادہ کرتے رہے، اور انھیں کی درسگاہ میں تعلیم سے فراغت پائی اور شہرت عام کے مالک ہوئے۔ (۹)

شاہ احمد سعید مجددی کی بارگاہ میں: تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ کے استاد ملا نواب خاں افغانی نے اپنے پیر و مرشد شیخ ربانی حضرت مولانا شاہ احمد سعید مجددی (متوفی ۲/ربیع الاول، ۱۲۷۷ھ) سے بیعت ہونے کا مشورہ دیا۔ آپ ان کی خانقاہ میں حاضر ہو کر ان کے دست حق پرست پر سلسلۂ نقش بندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے اور شیخ کامل کی خدمت میں رہ کر سلوک کی منزلیں طے کیں۔ تصوف وطریقت کے اسرار ورموز سیکھے، حدیث وتفسیر کی کچھ کتابیں بھی پڑھیں اور محبوبیت ومرادیت کا بلند مقام پاکر اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ دہلی قیام کے زمانے میں آپ کے پیر و مرشد کے صاحب زادوں سے آپ کی کچھ شکر رنجی بھی ہوئی، مگر مرشد گرامی نے درمیان میں پڑکر اسے ختم کردیا۔ (۱۰)

آپ حضرت شاہ احمد سعید مجددی کے نہایت جلیل القدر خلیفہ تھے حالات کی ابتری اور ملک پر انگریزی حکومت کے ظالمانہ تسلط واقتدار کی وجہ سے جب آپ کے شیخ طریقت ۱۲۷۳ھ میں مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو آپ بھی پانی پت تک ان کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ پانی پت سے آپ کو رام پور واپس ہونے کا حکم ہوا۔ (۱۱)

سفر حرمین شریفین: کچھ عرصے کے بعد آپ اپنے خادم خاص محمد موسیٰ بخاری کے ساتھ پیدل حج کے لیے روانہ ہوئے۔ آٹھ مہینے میں یہ سفر طے ہوا۔ حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ روضۂ رسول اور اپنے مرشد گرامی کی زیارت سے شاد کام ہوئے اور وہیں شہر رسول میں ایک سال تک اپنے مرشد کی خدمت میں رہ کر سلوک کی تکمیل کی۔ (۱۲)

رام پور واپسی اور نکاح: تکمیل سلوک کے بعد اپنے مرشد گرامی کے حکم پر رام پور تشریف لائے اور عارف ربانی حضرت مولانا عبدالکریم عرف ملا فقیر اخوند قادری چشتی قدس سرہ (متوفی ۱۳۰۶ھ) کی مسجد کے حجرے میں قیام کیا، اور نو مہینے میں قرآن مجید حفظ کر لیا، اور کٹے باز خاں کے گھیر میں ایک بیوہ خاتون سے نکاح کر کے سنت نبوی پر عمل کیا۔ (۱۳)

توکل اور قناعت: حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ صبر وشکر اور توکل وقناعت کے پیکر تھے۔ پورے اخلاص اور ثابت قدمی کے ساتھ ریاضت ومجاہدہ میں مصروف رہتے تھے، ہفتے میں فاقہ کی بھی نوبت آتی تھی اور امراض وعوارض میں اس سے بھی زیادہ۔ مگر کمال استقامت کا یہ حال تھا کہ کسی پر اپنی پریشانیوں اور تکلیفوں کا اظہار بالکل نہ کرتے تھے۔ "حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ" ہمہ وقت ورد زبان رہتا تھا اور " وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا" دنشین تھا، اور کسی سے کوئی غرض نہ تھی۔

اسی دوران والی ریاست رام پور کلب علی خاں نے اپنی بیماری کے عالم میں ریاست کے کارگزار محمد عثمان خاں کے ذریعہ کچھ رقم آپ کے پاس بھیجی، آپ نے اسے قبول نہ کیا اور فرمایا: "صدقہ مسکینوں کا حق ہے، ہم ان کی صحت کے لیے حسبنا اللہ دعا کرتے ہیں"۔ یہ جواب سن کر نواب کلب علی خاں نے آپ کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا جس کا مضمون یہ تھا:

"بے شک میں فسق وفجور میں مبتلا ہوں، لیکن اہل اللہ کی عقیدت اخلاص سے محروم نہیں ہوں"۔

اَحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحاً.

(میں نیکوں سے محبت کرتا ہوں، حالاں کہ میں خود ان میں نہیں ہوں، اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو نیکی کی توفیق دے۔)

اس کے بعد حضرت مفتی ارشاد حسین مجددی علیہ الرحمۃ نے دعا فرمائی۔ جس کی قبولیت کا اثر یہ ہوا کہ نواب صاحب خلاف شرع کاموں سے بے زار ہو گئے۔ (۱۴)

والی رام پور کی عقیدت: والی رام پور نواب کلب علی خاں اپنی ولی عہدی اور تعلیم کے زمانے سے ہی آپ سے حد درجہ متاثر تھے اور ان کا دل ان کی محبت سے معمور تھا۔ لیکن جب انھوں نے آپ کی دین داری، پر

---

(۸) مصدر سابق، ص: ۱۲، ۱۳

(۹) مصدر سابق، ص: ۱۳

(۱۰) تذکرہ کاملان رام پور، ص: ۳۱

(۱۱) تذکرہ علمائے اہل سنت، ص: ۲۴ مولانا ارشاد حسین مجددی۔ حیات۔ خدمات، ص: ۱۳

(۱۲) تذکرہ علمائے اہل سنت، ص: ۲۴

(۱۳) مصدر سابق، تذکرہ کاملان رام پور، ص: ۳۱

(۱۴) معارف عنایتیہ، ص: ۱۱۹، بحوالہ مولانا ارشاد حسین مجددی، حیات، خدمات، ص: ۱۵

ہیز گاری، حرص وہوس سے دوری دیکھی، اور یہ دیکھا کہ غربت اور تنگ دستی کے زمانے میں بھی آپ کا دل دینوی مال ومتاع کی خواہش سے خالی ہے تو ان کی محبت، عقیدت میں بدل گئی۔ اس کا اثر نواب صاحب کے والیِ ریاست ہونے کے زمانے میں یہ ظاہر ہوا کہ مفتی صاحب کے انکار کے باوجود انھوں نے نہایت اصرار کے ساتھ خدام خانقاہ کے مصارف کے لیے تقریباً چار سو روپے ماہانہ ریاست کے خزانے سے مقرر کر دیے۔ محلہ کھاری کنواں میں پختہ اور کام مکان بنوائے۔ مفتی صاحب پالکی میں آتے جاتے تھے، کہار نوکر تھے، خوش لباسی، خوش اوقاتی اور خوش اخلاقی سے زندگی بسر کرنے لگے۔ (۱۵)

نواب صاحب یہ بھی چاہتے تھے کہ کچھ گاؤں (بطور جاگیر) خانقاہ کے مصارف کے لیے مقرر کر دیں، مگر آپ نے یہ کہ کر اسے روک دیا کہ ”میرے مرنے کے بعد یہ گاؤں میری اولاد کے لیے باہمی فزاع اور خسارۂ آخرت کا باعث ہوں گے، اس لیے میں اسے پسند نہیں کرتا“۔ (۱۶)

نواب صاحب نے سنن ابوداؤد کا نسخہ نہایت خوش خط، مُطّلیٰ وُمذہّب لکھوایا۔ اور اس کی تصحیح کا نام مولانا سید حسن شاہ محدث رام پوری اور مفتی ارشاد حسین مجددی کے حوالے کیا۔ مولانا سید حسن محدث آپ کے مکان پر آتے اور دونوں مل کر سنن ابوداؤد کے اس نسخے کی تصحیح کرتے تھے۔ (۱۷)

نواب کلبِ علی خاں والیِ رام پور کو آپ سے ایسا والہانہ تعلقِ خاطر اور آپ کی شخصیت پر اتنا اعتماد تھا کہ جب انھوں نے ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں تقریباً ۴۰۰ افراد کے قافلے کے ساتھ حج وزیارت کے لیے حرمین شریفین کا سفر کیا تو شرعی مسائل میں رہ نمائی کے لیے آپ کو اپنے ساتھ لیا۔ مولانا نجم الغنی خاں رام پوری اخبار الصنادید میں لکھتے ہیں:

”نواب کلبِ علی خاں کو ولی عہدی کے زمانے سے حج و زیارتِ حرمین شریفین کا شوق تھا، آخر کار شوقِ زیارت نے ان کا دامن کھینچا اور ۱۲۸۹ھ میں اس سفرِ ہمایوں کا مصمم ارادہ کیا، جمعہ کے روز جامع مسجد آکر سب سے اپنے قصور کی معافی چاہی اور اپنے حقوق سے رعیت کو بَری کیا۔ ۲۳ر رمضان ۱۲۸۹ھ مطابق ۲۵ر دسمبر ۱۸۷۲ء کو مع صاحب زادہ علی اصغر خاں، صاحب زادہ محمود علی خاں و مولوی ارشاد حسین نقش بندی و سید حسن شاہ محدث و محمود علی خاں، شیخ علی بخش صاحب و سید مجاہد علی وغیرہ قریب چار سو آدمیوں کے روانہ ہوئے۔ صاحب زادہ حیدر علی صاحب نے بمبئی پہنچ کر نواب صاحب (کے قافلے) میں شرکت کی۔“(۱۸)

نواب صاحب کو حضرت مفتی صاحب کی شخصیت پر کتنا اعتماد تھا، اس کا اندازہ مولانا نجم الغنی رام پوری کے درج ذیل بیان سے بھی ہوتا ہے:

”مولوی (ارشاد حسین) صاحب کو وقتاً فوقتاً زرِ کثیر عطا کیا، کبھی چار ہزار روپیہ دیا اور کبھی دو ہزار۔ مدِ زکاۃ اور مصرفِ خیر وغیرہ سے بھی رقمِ مجموعی مولوی صاحب کو تقسیم کے واسطے دی جاتی تھی، مولوی صاحب نہایت منتظم تھے۔

... مولوی صاحب نے نواب سید کلب علی خاں کا دور اس طرح بسر کیا تھا کہ شریعت کے پردے میں دربارِ ایوان، امیروں کے دیوان، بلکہ رعایا کے گھر گھر پر دھواں دھار چھا رہے تھے۔“(۱۹)

نواب کلب علی خاں نے بیماری کے حالت میں درج ذیل تین باتوں کی وصیت کی تھی:

(۱) انتقال کے بعد مجھے حافظ جمال اللہ صاحب کے مزار کے پاس اس جگہ دفن کیا جائے جو شاہ محمد عمر اور حافظ صاحب کے گنبد کے درمیان ایک قبر کے برابر خالی پڑی ہے۔

(۲)- مفتی صاحب اور ان کے بھائی مولانا امداد حسین کے علاوہ اور کوئی مجھے غسل نہ دے۔

(۳)- ریاست کے خزانے سے میری تجہیز و تکفین نہ ہو، تین سو روپے کی ایک رقم یہاں رحیم شاہ کے پاس ہے، اسی کو خرچ کیا جائے۔

انتقال کے بعد نواب صاحب کی وصیت کے مطابق عمل ہوا۔

ساڑھے پانچ لاکھ روپے زکاۃ کے خزانے میں جمع تھے، حالتِ مرض میں نواب صاحب نے ایک دستاویز لکھ کر آپ کے حوالے کی کہ اس روپے سے جایداد خرید کر غریبوں کی دیکھ ریکھ اور پرورش کریں، یہ دستاویز بریلی میں رجسٹرڈ ہوئی، اور خزانے کو روپیہ دینے کا حکم ہوا، مگر اس کے بعد ہی نواب صاحب پر بے ہوشی طاری ہو گئی اور ریاست کے حکام نے اس حکم پر عمل در آمد نہیں کیا۔

............................(باقی آئندہ)

(۱۵) تذکرہ کاملان رام پور، ص:۳۱

(۱۶) معارف عنایتیہ، ص؛ ۱۱۹،۱۱۸، بحوالہ : مولانا ارشاد حسین مجددی، حیات، خدمات، ص:۱۶

(۱۷) تذکرہ کاملان رام پور، ص:۱۱۶

(۱۸) اخبار الصنادید، ج:۲، ص:۱۴۵، مطبوعہ منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۸ء

(۱۹) مصدرِ سابق

اکیسویں صدی میں یورپ وامریکہ
اسلام کی دہلیز پر

محمد رضا قادری مصباحی

مغرب کے عظیم مفکر مشہور ڈرامہ نویس جارج برناڈ شا نے کہا تھا اگر کوئی مذہب ہے جو اگلے سو سال میں انگلستان پر حکومت کرے، نہیں بلکہ سارے یورپ پر حکومت کرے تو وہ صرف اسلام ہوگا۔ میں نے محمد کے مذہب کو ہمیشہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر حیرت انگیز طاقت ہے۔ یہ واحد مذہب ہے جس کے متعلق میرا خیال ہے کہ اس کے اندر بدلتی ہوئی دنیا کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت ہے، جس کے اندر ہر دور کے لیے اپیل ہے:

If any religion has the chance of ruling over England ,nay Europe , within the next hundred years, it is can only be Islam . I have always held the religion of Muhammad in high estimation because of this wonderful vitality. It is the only religion wich appears to me to possess the assimilating capability to the changing face of existance wich can make its apeal to every age(احیاء اسلام).

مغربی مفکر نے اسلام کے حوالے سے جو بات آج سے ۶۰ سال قبل کہی تھی اس کا عملی ظہور اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی ہو چکا ہے۔ (۱۰۹۶ء سے تیرہویں صدی عیسوی کے آخر تک مکمل دو سو سال یورپ نے اسلام کے خلاف صلیبی جنگ کی جس میں انہیں شکست فاش ہوئی اور انہیں جلد ہی یہ احساس ہو گیا کہ عسکری میدان میں ہم مسلمانوں کو مات نہیں دے سکتے کیونکہ علم، سائنس وٹکنالوجی میں وہ ہم سے بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں۔ ہمارے پاس پرانے قسم کے جنگی اسلحے ہیں اور مسلمانوں کے پاس جدید جنگی ہتھیار ہیں۔ اس احساس کے تحت انھوں نے میدان جنگ بدلنے کا فیصلہ کیا۔ وہ فیصلہ یہ تھا کہ یورپ مسلمانوں کے علم وہنر اور سائنس وٹکنالوجی کو سیکھ کر مسلمانوں کو اس میدان میں شکست دے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے انھوں نے اسلامی علوم کے اعلیٰ مراکز غرناطہ، اشبیلیہ، طُلَیطلہ اور سسلی (صقلیہ) وغیرہ کا رخ کیا اور وہاں بڑی محنت سے مسلمانوں کے علوم مثلاً عربی، ریاضی، طب، فلکیات، نجوم، فلسفہ اور سائنس وٹکنالوجی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ یہی وہ فیصلہ تھا جو سولہویں صدی کے اس عظیم واقعہ کا سبب بنا جس کو دنیا یورپ کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے نام سے جانتی ہے۔

مسلمانوں کے علوم سیکھ کر بالآخر یورپ نے اتنی ترقی کرلی کہ چار سو سال کی جدوجہد کے بعد انڈسٹریل عہد میں اپنے کو داخل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب چار سو سال کے بعد یہی صورت حال برعکس شکل میں مسلمانوں کے سامنے تھی انھوں نے دیکھا کہ مغرب علوم وفنون اور سائنس کے میدان میں آگے بڑھ چکا ہے تو ان کے اندر مغربی علوم ان کی تہذیب وزبان حاصل کرنے کا رجحان پیدا ہوا لیکن مسلمانوں کے حق میں وہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا جو یورپ کے حق میں ہوا تھا۔ ایک ہی نوع کے دو واقعوں میں انجام کا یہ فرق کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نتیجہ کا یہ فرق دونوں کی ذہنیت میں فرق کے سبب ہے۔ مغرب نے ہمارے علوم اس جذبہ کے تحت سیکھے کہ وہ ہمیں ان میدانوں میں شکست دے سکیں اور ہم آج ان کے علوم اس لیے سیکھ رہے کہ ہم ان کی نظر میں معزز بن جائیں اور مغرب کی نقالی کرنے لگیں، جہاں ذہنیت میں یہ فرق پایا جائے وہاں نتیجہ میں فرق پایا جانا لازمی امر ہے۔

اب اگر مسلمان اس میدان میں منظم کوشش کرتا بھی ہے اور سو سال کی محنت کے بعد اگر انڈسٹریل دور میں داخل ہونے میں کامیاب ہو بھی گیا تو مغرب نہ جانے کس سپر انڈسٹریل دور سے گذر رہا ہوگا لہذا سائنسی وصنعتی راہ سے یورپ کو فتح کرنا مسلمانوں کے لیے بے حد مشکل امر ہے لہذا ہمیں بھی میدانِ جنگ تبدیل کرتے ہوئے اب کوئی دوسری راہ تلاش کر لینی چاہیے۔

یورپ وامریکہ کی تسخیر کی راہ:

مسلمان اپنے داخلی وخارجی انتشار اور مسائل کے سبب گذشتہ کئی صدیوں سے اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ مادی وعلمی اعتبار سے ترقی یافتہ قوموں کو شکست دے سکے۔ اب اس کے لیے فتح یابی کا صرف ایک باب کھلا رہ گیا ہے اور وہ دعوت کا راستہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ علمی وسائنس میدان میں وہ پیش رفت نہ کریں بلکہ اس میدان میں موثر پیش قدمی کرتے ہوئے ہم دعوت کا راستہ اختیار کریں۔ ہم ان قوموں کو اپنا موعو سمجھیں اور ان

پرنسپل، جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، نئی دہلی
jhnaaulia@yahoo.co

کے اندر دعوتی کوششیں تیز کردیں۔ قوم مسلم مادی وسائنسی اعتبار سے اگرچہ کمزور ہے لیکن نظریاتی قوت کے اعتبار سے ابھی بھی دنیا کی سب سے طاقتور ترین قوم ہے۔ تاریخ اسلام میں بارہاایسا ہوا ہے کہ فاتح قوموں نے مسلم ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجادی ان کے تمام تمدنی نشانات مٹاڈالے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد دعوتی کوششوں کے نتیجے میں اس نے مفتوح قوم کے مذہب کو قبول کرلیا۔اس کی واضح مثال سلجوقیوں ، تاتاریوں ، مغلوں اور ترکوں کا بکثرت اسلام میں داخل ہونا ہے۔ یہ وہ قومیں ہیں جنھوں نے اپنی وحشیانہ کارروائی سے پورے وسطی ایشیاء کو تہ وبالا کردیاتھاجہاں بھی اسلامی تمدن اور تاریخ کے نشانات تھے سب مٹادیے۔جب مسلمان قید ہوکران کے یہاں پہونچے اور انہیں قریب سے مسلمانوں کی زندگی دیکھنے کا موقع ملاتب انہیں اسلام کی حقیقت سمجھ میں آئی اور کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور ۶۰۰سال تک مسیحی طاقتوں کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی آہنی دیوار بنے رہے۔اکیسویں صدی میں مسلمان ایک بار پھر دور مغلوبی سے گذررہے ہیں ان کے تاریخی وتہذیبی نشانات کو مٹایا جارہا ہے۔یورپ وامریکہ کے وحشی تاتاری ایک بار پھر مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹادیناچاہتے ہیں ، لیکن قدرت الٰہیہ نے ان کے لیے جو انجام مقدر کردیا ہے وہ یہ کہ یورپ وامریکہ کے وحشی تاتاری ایک بار پھر مفتوح قوم کے مذہب کو قبول کرلیں۔

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے:

یہ قانونِ فطرت ہے کہ جب کسی سے انتقام لینے کے بعد انتقام کی آگ ٹھنڈی ہوجاتی ہے تو وہ اپنی اصل کی طرف لوٹتا ہے اپنے کیے ہوئے پر نادم ہوتا ہے ،اس لیے کہ اس دنیا میں ہر بلندی کے لیے پستی اور ہر کمال کے لیے زوال مقدر ہے سوائے ان نفوس کے جن کو اللہ نے ہمیشہ کے لیے بلند کیا۔

تاتاری قوم ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں منگولیا(چین) سے ظاہر ہوئی فطری طور پہ بڑی بہادر اور جنگ جو قوم تھی بدوی قبائل پر مشتمل یہ جنگجو قوم جس متمدن خطے سے گذر جاتی اسے ویران کر چھوڑتی میدان جنگ میں جب پیاس لگتی تو گھوڑے کی پشت پر خنجر مار کر خون چوس کر پیاس بجھالیتی ،اس نے شاہِ خوارزم کی ایک غلطی پر خوارزم سمیت عراق ، سمرقند وبخاری ،ماوراء النھر سے لے کر مشرقی ہند تک کے سرحدی علاقوں کو تاخت وتاراج کردیا۔۲۰لاکھ سے زائد مسلمان صرف عراق میں قتل کیے گئے۔ان کے سروں سے میناریں تعمیر کی گئیں۔جب ان کے انتقام کی آگ ٹھنڈی ہوئی تو انھیں ہوش آیا،ہلاکوخان کا پوتابڑکے خان اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہوا اور اپنی پوری قوم کے ساتھ مشرف باسلام ہوگیا۔یہی صورت حال جزوی طور پر اکیسویں صدی میں سوئٹزرلینڈ کی سوئس پیپلزپارٹی سے تعلق رکھنے والے معروف سیاست داں ”ڈینیل اسٹیچ“ (Danielsteich) پر صادق آتی ہے۔اس نے سوسٹرزلینڈ میں مسجدوں کے میناروں پر پابندی لگانے کی آواز بلند کی تھی،پورے ملک میں مسلم مخالف شدت پسندی کے جزبات ابھارنے میں اس نے نمایاں کردارادا کیاتھا۔

مشہور عربی انگلش چینل الجزیرہ کی طرف سے فروری ۲۰۱۰ء میں پیش کردہ رپورٹ کے مطابق اس کا ایمان بیدار ہوگیا اور اس نے اسلام قبول کرلیا۔بلاآمیز قرآن کریم کا تجزیاتی مطالعہ اس کے قبول اسلام کا سبب بن گیا۔ اس نے سوچاتھا کہ وہ قرآن کریم کا مطالعہ اس نیت سے کرے گا کہ میناروں کے خلاف چلائی جانے والی مہم کی حمایت میں وہ قرآن سے دلائل حاصل کرے گا اور قرآنی تعلیم کی روشنی میں اپنے اسلام مخالف موقف کو مضبوط ثابت کرنے کے لیے مسلمانوں سے مباحثہ کرے گا۔ جب اس نے اس مقصد کے لیے نورہدایت کا مطالعہ کرنا شروع کیا تو اپنی نیت کے برعکس وہ قرآنی آیات کا قائل ہوتا چلا گیا اور اسلام اس کی روح میں اترتا چلا گیا الجزیرہ کی رپورٹ کے مطابق اسلام قبول کرنے کے بعد اس عیسائی سیاست داں نے کہا:اسلام نے مجھے زندگی کے کئی اہم معاملات میں مثبت جواب دیا ہے،ان سوالات کے تشفی بخش جوابات میں نے عیسائیت میں نہیں حاصل کیے۔ سابق ڈینیل اسٹیچ اس وقت ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور پنج وقتہ نمازی ہے آج وہ خود میناروں پر پابندی کی شدت سے مخالفت کررہا ہے اور یورپ کی سب سے خوبصورت مسجد تعمیر کرنے کا منصوبہ بنارہا ہے جو کہ سوئٹزرلینڈ کی پانچویں مسجد ہوگی۔

(ماخوذ ازماہنامہ گلستان رضا کلکتہ ج:۱،شمارہ:۱اکتوبر۲۰۱۰ء)

اسلام دشمن فلم ساز کا قبول اسلام:

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ”فتنہ“ نامی فلم بناکر پور دنیا میں شہرت حاصل کرنے والے ہالینڈ کے فلم ساز اور ممبر پارلیمنٹ ارناؤڈوین ڈورن (Arnoud van Doorn)ان دنوں قبول اسلام کے سبب موضوعِ بحث بنے ہوئے ہیں ان کی بنائی ہوئی فلم ”فتنہ“ کے سبب ساری دنیا میں اسلام کے خلاف فتنہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور پوری دنیا کے اندر مسلمانوں نے اس کے خلاف احتجاج کیے تھے مگر آج اسلام نے اس کے دل کی دنیا میں انقلاب برپا کردیا ہے اور کفر وشرک کی ظلمت کو مٹادیا ہے

اورآج وہ امت مسلمہ کا حصہ بن چکے ہیں۔

ڈورن کا شمار اسلام کے سخت مخالفین میں ہوتا تھا، ان کا تعلق ہالینڈ کی اسلام دشمن سیاسی جماعت فریڈم پارٹی سے تھا یہ پارٹی عموماً ہالینڈ میں مسجدوں کی تعمیر اور اسلامی شعائر کی مخالفت کرتی ہے اس پارٹی کے کچھ ممبران نے مل کر ڈورن کے ساتھ فتنہ فلم تیار کی تھی مگر ان کے قبول اسلام نے سب کو حیرت میں ڈال دیا جب انھوں نے اپنے اسلام قبول کرلینے کے متعلق سے ٹویٹر پر لکھا تو لوگوں نے اسے مذاق سمجھتے ہوئے مزاحیہ تبصرے کیے لیکن رفتہ رفتہ حقیقت کھلتی گئی۔ ڈورن نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ میں نے اسلام کیوں قبول کیا کہا ہے کہ :میں اسلام کے تعلق سے غلط فہمی کا شکار تھا۔ میں اسلام کی تعلیمات کو مغربی پروپیگنڈہ کی نظر سے دیکھتا تھا، لہٰذا مجھے اسلام سے نفرت تھی اور اس لیے فتنہ فلم بنائی اس کے بعد میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا کیونکہ میرے اندر حقیقت جاننے کی چاہت تھی، میں نے قرآن اور پیغمبر اسلام کی سیرت کا مطالعہ کیا، شریعت اسلامیہ مطالعہ میں رہی تقریباً ایک سال کی تحقیق کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ میں نے اسلام کے تعلق سے جو نظریہ قائم کر رکھا ہے وہ غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلام امن اور آشتی کا مذہب ہے جب سچائی میرے سامنے آگئی تو پھر اسلام قبول کرنے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔ آئندہ ان کا پروگرام ہے کہ اب وہ اپنی زندگی کو اسلام کی اشاعت کے لیے وقف کردیں گے۔ اب ان کا ارادہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی زندگی پر ایک فلم بنانے کا ہے جس کے ذریعہ وہ فتنہ فلم کا کفارہ ادا کرنا چاہتے ہیں گذشتہ دنوں انہوں نے مکہ معظّمہ اور مدینہ طیبہ کا سفر کیا، عمرہ کیا اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے دعا مانگی۔

(ماخوذ:نئی دنیا،دہلی ۲۰تا۲۶/مئی ۲۰۱۳ء)

جینٹ جیکسن کا قبول اسلام اور مغرب میں اضطراب:

دنیا کی مشہور عورتوں میں سے ایک، دنیا کی سب سے خوبصورت خواتین میں سے ایک، دنیا کی بہترین گلوکارہ، مائیکل جیکسن کی بہن جینٹ جیکسن، جس پر پورا امریکہ اور پورا یورپ فدا تھا، جس کے حسن کا جادو انسان کے سر چڑھ کر بولتا تھا جس کے گانوں کے سروں پر لوگ مدہوش ہوجاتے تھے، آج انہیں گانا گانے والے لبوں پر فقط ایک ہی نام ہے اللہ اللہ اللہ‘‘

۱۶/مئی ۱۹۶۶ء میں گیری انڈیانا میں پیدا ہونے والی اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹی جینٹ نے نہ صرف بے شرمی سے مکمل کنارہ کشی کرلی ہے بلکہ برقع بھی اوڑھ لیا ہے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرکے اسلام کے آغوش میں آگئی ہے۔

گذشتہ برس جینٹ نے ایک نجی تقریب میں اپنے امیر کبیر بوائے فرینڈ وصام المناء سے نکاح کرنے سے قبل ہی اسلام قبول کرلیا تھا، جینٹ کے قبول اسلام کا سبب بھلے ہی ان کے شوہر بتائے جارہے ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نے دل سے اسلام قبول کیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ برقع نہ اوڑھتی اور نہ ہی انٹرٹینمنٹ بزنس کو الوداع کہتی۔ وصام المناء دوحہ قطر کے رہنے والے ایک خوبصورت اور سنجیدہ فکر انسان ہیں ان کا بزنس پوری دنیا میں المناء رٹیل گروپ کے نام سے پھیلا ہوا ہے تین ملکوں میں ان کے درجنوں محل نما گھر بھی ہیں اس بات کے پیش نظر مغربی میڈیا یہ ڈھول پیٹ رہا ہے کہ جینٹ نے المناء سے نہیں اس کی دولت سے شادی کی ہے مگر یہ صرف الزام تراشی ہے۔ جینٹ جیکسن جیسی دولت مند خاتون کے لیے بعید ہے کہ وہ کسی دولت کی لالچ میں المناء سے نکاح کرے۔

جینٹ اسلام قبول کرکے خوش ہے، مطمئن ہے۔ اگر کوئی مضطرب ہے تو مغرب اور مغربی میڈیا۔ انہیں سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آخر ہماری خواتین کیوں جوق در جوق اسلام میں داخل ہورہی ہیں خاص طور پر مشہور ومقبول خواتین مغرب یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ آخر اسلام میں ایسا کیا ہے کہ ان کی عورتیں سب کچھ چھوڑ کر مسلمان ہورہی ہیں برقع اور عبا جس کو وہ غلامی کا طوق کہتے ہیں وہ طوق پہن کر عورتیں بے حد مطمئن اور خوش نظر آرہی ہیں اتنی کہ جتنی وہ پہلے کبھی نظر نہیں آئیں۔ (ماخوذ از نئی دنیا ۲۰تا۲۶مئی/۲۰۱۳ء)

ٹونی بلیر کی سالی لون بورتھ کا قبول اسلام:

۲۶/اکتوبر ۲۰۱۰ء کو روزنامہ راشٹریہ سہارا دہلی نے اس خبر کو شائع کیا کہ سابق برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیر کی نسبتی بہن (سالی) لون بورتھ مشرف باسلام ہوگئیں۔ لون ربورتھ پیدائشی طور پر کیتھولک عیسائی ہیں۔ انسانی حقوق کی علمبردار صحافی ہیں اور ایران کے انگریزی نیوز چینل پریس ٹی وی کے لیے کام کرتی ہیں ان کے اسلام قبول کرنے کی خبر اس وقت سامنے آئی جب وہ عالمی امن اور اتحاد ۲۰۱۰ء کے پرچم تلے ایک ریلی میں شرکت کررہی تھیں ان کے قبول اسلام کا سبب اسلام کا روحانی نظام بنا ان کا کہنا ہے کہ چھ ہفتہ قبل مجھے ایران کے درگاہ میں جانے کا موقع ملا جہاں مجھے بہت موثر تجربہ ہوا اور میرا دل اسلام کی طرف پھر گیا اب میں پانچوں وقت نماز پڑھتی ہوں وقتاً فوقتاً مسجد بھی جاتی ہوں مزید یہ کہ ڈیڑھ مہینہ سے میں نے شراب نہیں پی ہے محترمہ بورتھ اب اپنا سر ڈھانپتی ہیں اور

حجاب لگا کر باہر نکلتی ہیں ان کا کہنا ہے کہ مستقبل میں میں برقع بھی پہن سکتی ہوں انھوں نے مزید کہا ممکن ہے کہ میرے اسلام قبول کرنے سے تنازع پیدا ہو لیکن اسے کیا کہیے کہ ہر عمل کا ایک ردعمل ہوتا ہے۔

برطانیہ میں مذہب تبدیل کر کے مسلمان بننے والوں کی تعداد ایک لاکھ کے قریب:

روز نامہ راسٹریہ سہارا نئی دہلی، ۵/ جنوری ۲۰۱۱ء کے شمارہ میں پی ٹی آئی لندن کے حوالے سے ایک اہم معلوماتی تحریر شائع کی گئی ہے۔ اس کا عنوان ہے "ہر سال تقریبا ۵ ہزار برطانوی باشندے مسلمان بن رہے ہیں" مختلف مذاہب کے بارے میں ریسرچ کرنے والے ایک تھنک ٹینک نے اپنے ایک تفصیلی مطالعہ میں کہا ہے کہ برطانیہ میں گذشتہ دہائی کے دوران مذہب تبدیل کر کے مسلمان بننے والے برطانوی شہریوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ "فیتھ میٹرس" نام کے ایک تھنک ٹینک نے تبدیل مذہب کر کے مسلمان بننے والے برطانوی شہریوں کے بارے میں کہا ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد ایک لاکھ تک ہو سکتی ہے اور ہر سال تقریبا ۵ ہزار لوگ مسلمان بن رہے ہیں حالانکہ اس مطالعہ سے پہلے تبدیل مذہب کرنے والے لوگوں کی تعداد ۱۴ ہزار سے ۲۵ ہزار کے درمیان بتائی گئی ہے۔ مذہب تبدیل کرنے والوں کی یہ تعداد ظاہر کرتی ہے کہ امریکہ میں ۱۱/ ستمبر ۲۰۰۱ء اور لندن میں ۷/ جولائی کو ہونے والے حملوں کا تبدیلی مذہب پر کوئی منفی اثر نہیں پڑا ہے بلکہ ان حملوں کے سبب اسلام کی طرف لوگوں کے رجحان میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔

۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۰ء تک ۵۰ ہزار خواتین مشرف باسلام:

جہاں بلجیم اور فرانس جیسے ممالک مسلم خواتین کا تشخص مٹانے میں لگے ہیں اور برقع پر پابندی عائد کر کے خوش ہیں وہیں ان دنوں برطانیہ اور مغربی ممالک میں خواتین کے قبول اسلام کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔

اس تبدیلی مذہب کی خاص وجہ معاشرے میں خواتین کی روز بروز بڑھتی ناقدری اور انہیں متاع کوچہ و بازار سمجھنے کی ذہنیت بتائی جا رہی ہے۔ برطانوی خبر رساں ایجنسی کے مطابق برطانیہ کے اندر اس رجحان میں کافی تیزی آئی ہے اور ۲۰۰۱ء میں ہوئی مردم شماری کے مطابق اسلام قبول کرنے والی برطانوی خواتین کی تعداد ۳۰ ہزار سے تجاوز کر چکی ہے اور اب یہ تعداد پچاس ہزار سے بھی آگے بڑھ چکی ہے۔ برطانیہ کا کہنا ہے کہ اس وقت چرچ کی ہفتہ وار مذہبی تقریب میں شرکت کرنے والی خواتین کی تعداد کم ہو کر ۲ فیصد رہ گئی ہے اس کے برعکس سینٹرل لندن کی ریجنٹ پارک مسجد میں نماز کے لیے شریک ہونے والوں کی دو تہائی تعداد مسلم خواتین کی ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ برطانوی خواتین بے حیائی کی زندگی پر باحجاب زندگی کو ترجیح دے رہی ہیں۔ حالیہ دنوں میں اسلام قبول کرنے والی ۵ برطانوی خواتین میں سے ایک عقیلہ لنڈسے نے کہا کہ اسلام میں آنے سے قبل مجھے لگتا تھا کہ مذہب ایک فرسودہ نظریہ ہے لیکن اب مجھے لگتا ہے کہ زندگی صرف ایک بار ملتی ہے اور اس کو بامقصد طور سے جینا چاہیے دوسری مسلم خاتون "کیتھرین ہسلٹن" نے کہا کہ ابتدائی دنوں میں قرآن نے میری فہم و دانش کو متاثر کیا۔ اس کے بعد میرے اور قرآن کے درمیان روحانی رشتہ قائم ہو گیا۔ میں یہ پڑھ کر حیران تھی کہ ۱۴۰۰ سال قبل قرآن نے عورت کو کیسے اہم حقوق دیے ہیں سکینہ ڈگلس نام کی ایک افریقی نژاد برطانوی خاتون کا بیان ہے کہ جب قرآن پڑھنے کے بعد میں نے پردہ کرنا شروع کر دیا تو مجھے بے انتہا مسرت ہوئی اور مجھے پہلی بار لگا کہ میں مردوں کی ہوسناک نگاہوں کے سامنے سجا ہوا دسترخوان نہیں ہوں بلکہ ایک باعزت خاتون ہوں۔

(ماخوذ از روزنامہ راسٹریہ سہارا نئی دہلی ۵ جون ۲۰۱۰ء)

نائن الیون کے بعد امریکہ میں مطالعۂ اسلام کی لہر:

۱۱/ ستمبر ۲۰۰۱ء کے حادثہ کے بعد امریکہ میں غور و فکر کا ایک نیا رجحان پیدا ہوا ہے۔ ہر کوئی اسلامی کتابوں، جرائد و مجلات، اسلام اور پیغمبر اسلام پر لکھی جانے والی کتابوں میں دلچسپی لے رہا ہے۔ ان میں جو کتاب سب سے زیادہ توجہ و دلچسپی کا مرکز بنی ہے وہ قرآن ہے۔ نیو یارک، واشنگٹن، شکاگو اور نیو جرسی سے لاس اینجلس تک جن کتب خانوں پر قرآن شریف کے نسخے پچھلے کئی سالوں سے فروخت نہیں ہوئے تھے وہ بہت جلد فروخت ہو گئے اور انہیں قرآن کے نئے ایڈیشن شائع کرنے پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے قرآن امریکہ میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب بن گیا۔ در اصل اس کے پیچھے یہ ذہنیت کار فرما ہے کہ آخر قرآن میں ایسی کیا بات ہے کہ جس کو پڑھنے کے بعد انسان دہشت گرد بن جاتا ہے، وہ جہاد کے نام پر انتہا پسندی کی حدوں کو پار کر جاتا ہے۔ آخر اسلام میں ایسی کون سی تعلیم دی گئی ہے جو انسان کو ایسے دہشت گردانہ اعمال کے ارتکاب پر آمادہ کرتی ہے۔ جب اس ارادہ سے وہ قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں اور قرآن میں ان کا مطلوب ملتا نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اس کا سابقہ اس قسم کی آیتوں سے پڑتا ہے مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا۔ جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس

نے ایک جان کو جلایا اس نے گو یا سب لوگوں کو جلا لیا۔ (المائدۃ آیۃ :۳۳)

تو اسلام کی جاں بخش تعلیم کا اسیر بن جاتا ہے۔ قرآن اس کے فکر و شعور کو جھنجھوڑتا ہوا نظر آتا ہے۔

معروف پبلشر "Penguin book" نے ۱۱ ستمبر کے واقعہ کے بعد قرآن کریم کے ۲۰ ہزار سے زائد نسخے تقسیم کئے۔ امریکی اخبار یو ایس اے ٹوڈے (USA Today) نے لکھا تھا: لوگ اسلام کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں اور اس رجحان نے امریکہ میں قرآن میں کو سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب بنا دیا ہے کیوں کہ امریکہ کے غیر مسلموں نے محسوس کیا ہے کہ ایک مسلمان یا کوئی اور شخص اس کتاب کا کوئی بھی صفحہ کھول کر اس سے زندگی کا کوئی نہ کوئی راز جان سکتا ہے۔ یہاں تک کہ امریکہ کے پبلک اسکولوں میں بچوں کو قرآن کی آیات زبانی یاد کرنے کو کہا گیا۔ اور خفیہ ایجنسی ایف بی آئی کے افسران کو اسلام سے روشناس کرایا جانے لگا ہے۔ (اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات از: آئی اے ابراہم ص:۱۹۶، مطبوعہ دار اسلام پاکستان)

لاطینی امریکی تارکین وطن اسلام کی آغوش میں:

میکسیکو سے لے کر براعظم جنوبی امریکہ کے انتہائی جنوبی ممالک ارجنٹینا اور چلی تک کا خطہ لاطینی امریکہ کہلاتا ہے۔ ۱۴۹۲ء میں کولمبس کے ذریعہ امریکہ کی دریافت کے بعد اسپین اور پرتگال کے استعماری قبضہ کے سبب یہاں ہسپانوی اور پرتگالی زبانیں بولی جاتی ہیں جو کہ لاطینی الاصل ہیں۔ غربت و افلاس کے شکار لوگ بہتر مستقبل کی تلاش میں ہر سال شمالی امریکہ خاص طور سے ریاستہائے متحدہ امریکہ کا رخ کرتے ہیں ان میں بہت سے لوگ یہاں آکر اسلام سے متعارف ہوتے ہیں اور حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں۔

چند سالوں قبل واشنگٹن پوسٹ نیوز سروس کے حوالے سے روزنامہ "ڈان" نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ (USA) میں آباد لاطینی ترکین وطن کے قبول اسلام کے بارے میں ایک ہندو صحافی سدرشن رگھون کی ایک رپورٹ شائع کی جس کے اقتباسات ذیل کی سطور میں ملاحظہ کریں:

"امریکہ میں لاطینی تارکین وطن اسلام کے ذریعہ سے از سر نو اپنی شناخت قائم کر رہے ہیں۔ واشنگٹن کے علاقے میں ان نومسلموں کی تعداد چند سو ہے اور اسلامی تنظیموں کے مطابق پورے ملک میں ان کی تعداد ۴۰ تا ۷۰ ہزار ہے۔ ترک وطن سے پہلے وہ اپنے ملک میں (کیتھولک مسیحیت کے حلقہ بگوش ہونے کے باعث) دوسرے نظریات سے یکسر بے خبر رہتے تھے۔ مگر امریکہ آکر ان کے لیے قرآن مجید کے تراجم، اسلامی جرائد اور ویب سائٹس کے ذریعہ اسلام کے متعلق جاننا آسان ہو گیا ہے۔ ۱۱ ستمبر کے بعد امریکہ میں جیسے ہی وہ اسلام قبول کرتے ہیں، انھیں اسلام پر قائم رہنے کیلیے بہت جدو جہد کرنی پڑتی ہے اور مسیحی اکثریت کی طرف سے مخالفت اور تعصب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔" (اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات ص:۶-۲۰۴، مطبوعہ: مکتبہ دارالسلام سن اشاعت ۲۰۰۷ء)

اسپین میں اسلام کی واپسی:

اسپین (اندلس) مشرقی یورپ کا وہ خوبصورت اور خوش حال ملک ہے جس کی پیشانی پر مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ عظمت رفتہ کے نقوش ثبت ہیں مسلمانوں کے دور حکومت (۹۲ھ/۷۱۱ء تا ۸۹۷ھ/۱۴۹۲ء) میں اسپین علم و دانش اور فکر و فن کا مرکز تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ یہاں سے مغرب کو منتقل ہونے والے سائنسی علوم ہی یورپ کی نشأۃ اولی کا سبب بنے۔

ایک ہسپانوی ماہر مارٹینو کا خیال ہے کہ آئندہ چند برسوں میں اسپین یورپ میں سب سے زیادہ آبادی والا ملک بن جائے گا۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اسپین کے نومسلموں میں قدیم عربوں کی اولاد بھی شامل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سقوط اسپین کے وقت ان کے آباو اجداد کو زبردستی عیسائی بنالیا گیا تھا۔ بطور ثبوت وہ اپنی آنکھوں کی سیاہ رنگت کو پیش کرتے ہیں۔ کیوں کہ اصل ہسپانوی باشندوں کی آنکھیں بھوری ہیں۔ خون عرب ایک بار پھر ان کی رگ حمیت کو گرما رہا ہے۔ اور انھیں اپنی اصل کی طرف واپسی پہ مجبور کر رہا ہے۔

ایک میگزین کی رپورٹ کے مطابق حالیہ چند برسوں میں اسپین میں ۲۰ ہزار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا ہے۔ صرف غرناطہ میں ایک ہزار عیسائی اسلام کے دامن میں آچکے ہیں۔ سقوط اسپین (۱۴۲۹ء) کے بعد وہاں بچ جانے والے مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنالیا گیا تھا اب انھیں کی اولاد تیزی سے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے۔ (اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات ص:۲۰۱، بحوالہ نوائے وقت" لاہور ۱۷/ اکتوبر ۲۰۰۵ء)

تاریخ کا تسلسل اور بکثرت رونما ہونے والے حوادث و واقعات اس بات کا اشارہ دے رہے ہیں کہ آئندہ سو برسوں میں دنیا کے نقشہ پر اگر کسی مذہب کو اکثریتی مذہب ہونے کا شرف حاصل ہوگا تو وہ اسلام ہوگا۔ کیونکہ صرف اسلام کے دامن میں یہ گنجائش ہے کہ وہ گوروں کے ساتھ کالوں، امیروں کے ساتھ غریبوں اور سماج کے ہر طبقات کے لوگوں کو اپنے اندر جذب کر سکے۔ رنگ و نسل، لسانی و تہذیبی عصبیت سے پاک اس مذہب میں ہر ایک کے لیے یکساں کشش موجود ہے۔ مادیت اور خواہش پرستی کی طوفان بدتمیزی میں روحانیت کا جام پلانے والا صرف اسلام ہے۔ عورتوں کی

عصمت صرف اسلام میں محفوظ ہے۔

مغرب تمام تر مادی وسائل کے باوجود بے چین و بے اطمینانی کی زندگی گذار رہا ہے۔ اس کا خاندانی نظام بکھر چکا ہے۔ اب اسے سکون کی تلاش ہے ۔ مگر سکون ملے تو کیسے ؟عیسائیت کا کلیسائی نظام خود دم توڑ چکا ہے۔ گرجا گھروں میں خاک اڑ رہی ہے۔ معابد ویران ہیں۔ تثلیث کے عقیدہ نے عیسائیت کی تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔ اب بیساکھی کے سہارے زیادہ دنوں تک اس کو چلایا نہیں جاسکتا۔ اب تعقل پرستوں کو کس متبادل مذہب کی تلاش ہے جس کے دامن میں اسے روحانیت نصیب ہو سکے۔ ایسے موافق حالات میں جسے قدرت کئی سو سال کے بعد پیدا کرتی ہے۔ اہل اسلام پر اس عہد کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ اس کے پاس جو ابدی صداقت ہے اور جو دین تمام آمیزشوں سے پاک ہے اسے بلاکم و کاست خدا کے بھٹکے ہوئے بندوں تک موجودہ وقت کے معیار کے مطابق پہنچائیں۔ آج مسلمان پوری دنیا میں مدعو قوموں کے ساتھ غیر ضروری نزاعی امور میں الجھے ہوئے ہیں اور اپنے عمل سے اسلام کو جنگ کا مذہب بنائے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ:

بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے اوائل میں ایک بڑا امکان واقعہ بننے سے اس لیے رہ گیا کہ اسلامی قیادت کے نام پر، القاعدہ، طالبان، حزب المجاہدین، لشکر طیبہ اور جیش محمد جیسی غیر سرکاری مسلح تنظیمیں وجود میں آگئیں اور جہادِ اسلامی کے نام پر حکومتوں سے جنگ چھیڑ دی گئی۔ کچھ شر پسند اسلام دشمن عناصر نے ان تنظیموں سے منسلک افراد کی ذہن سازی اس انداز میں کی کہ غیر اسلامی حکومت ان کی نظر میں اس قابل ہوگئی کہ اسے فوراً مٹا دیا جائے۔ اور اس کی جگہ حکومت اسلامیہ کا قیام عمل میں لایا جائے، نہ حالات کو دیکھا نہ تاریخی تسلسل کو بس ہر غیر مسلم حکومت کے خلاف مسلح جہاد شروع کر دی۔ کرتا، پاجامہ، عمامہ اور ٹوپی میں ملبوس داڑھی والے مجاہدین جب ٹی وی چینلز کی اسکرینوں پر مسلح جہاد کرتے ہوئے نظر آئے تو پوری دنیا میں ان کی شبیہ انتہاپسند اور دہشت گردانہ عمل انجام دینے والے کی شکل میں متعارف ہوگئی۔ رفتہ رفتہ یہی اکثر مسلمانوں کی شبیہ بن گئی۔ اب جہاں اس حلیہ کے آدمی نظر آئے ان کو اسی فریم ورک میں دیکھا جانے لگا۔ اب بجائے اس کے کہ اسلام کی طرف لوگوں کی واپسی ہوتی پوری دنیا کے غیر مسلم اقوام اسلام سے برگشتہ اور مسلمانوں سے متوحش ہوگئیں۔ اور یورپ کے اسلام کی طرف آنے کا اتنا بڑا امکان دہشت گردانہ عمل کے ارتکاب کے سبب واقعہ بننے سے رہ گیا۔

دور شرک اور دور جمہوریت کا فرق:

قدیم زمانہ میں پوری دنیا کے اندر شرک کا غلبہ تھا، مشرکانہ عقائد لوگوں کے ذہنوں پر چھائے ہوئے تھے۔ وہ اصل خدا کو چھوڑ کر مظاہر فطرت کو خدا بنائے ہوئے تھے۔ جب دور اسلام آیا تو اس نے شرک کو مغلوب کر کے توحید کو غالب فکر بنا دیا۔ پچھلے زمانہ میں شرک کو سرکاری مذہب کا درجہ حاصل تھا۔ لہذا شرک کو چھوڑ کر توحید کو اختیار کرنا سیاسی قوتوں کو چیلنج کرنے کے مترادف تھا۔ لیکن اللہ تعالی نے ہزار سالہ عمل کے بعد انسان کو اس دور میں داخل کر دیا کہ شرک اب انسان کا سیاسی عقیدہ نہیں رہ گیا وہ دور جمہوریت کا دور ہے جس میں انسان کو فکری اور مذہبی آزادی حاصل ہے اب بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرف سے ٹکرائو کے وہ سارے امکانات ختم ہوگئے جو دور شرک میں پیش آسکتے تھے۔ لہذا دعوت کا عمل پہلے سے کہیں زیادہ دور جمہوریت میں آسان ہو گیا ہے۔ پہلے اسلام قبول کرنے کے بعد حکمرانوں سے ٹکرانا پڑتا تھا اب صرف اپنے خاندان یا خویش و اقارب سے نمٹنا ہوتا ہے۔ ہندوستانی معاشرے میں چونکہ اب بھی سماجی و مذہبی بندھن میں لوگ کسی حد تک بندھے ہوئے ہیں اس وجہ سے یہاں اسلام قبول کرنے والوں کو مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن یورپی ممالک میں ایسی کوئی رکاوٹ نہیں ہے اس لیے اسلام ان خطوں میں تیزی کے ساتھ پھیلتا چلا جا رہا ہے۔

اب اگر دور جمہوریت میں ہم دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام نہ دیں تو یہ نعمت الہی کی انتہائی بے قدری ہوگی اور اس امکان کو ضائع کرنا بھی ہوگا جو قدرت نے ہزار سالہ عمل کے بعد ہمیں فراہم کیا ہے۔

آج کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں اسلام کے تعارف پر مشتمل لٹریچر سادہ و عقلی انداز میں تیار کر کے مفت تقسیم کیے جائیں۔ قرآن مجید کے تراجم ہر غیر مسلم کے گھر میں بطور تحفہ پہونچائے جائیں۔ حکمراں طبقہ سے لے کر عوام تک اسلام کی پر امن تعلیمات پہنچائی جائیں۔ جو تنظیمیں مسلسل مسلمانوں کے خلاف کام کر رہی ہیں مثلاً بجرنگ دل، شیو سینا، وشو ہندو پریشد وغیرہ ان کے آفسوں میں بھی اسلام کے تعارف پر مشتمل کتابیں بھیجی جائیں۔ جب اللہ تعالی تاتاری اور سلجوقی جیسے وحشی لوگوں کے دل ایمان کی طرف پھیر دیتا ہے تو ان مخالفین اسلام لوگوں کے دل بھی اسلام کی طرف پھیر سکتا ہے۔

یہ کوئی ضروری نہیں کہ اللہ تعالی دین کی تقویت کا کام صرف پیدائشی مسلمانوں سے لے۔ بلکہ اپنے دین کی تائید نئے نفوس کو اسلام میں داخل کر کے بھی کرتا ہے۔ ☆☆☆☆☆

فکر ونظر

فارغینِ مدارس میں داعیانہ فکر وکردار

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر وبصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

اگست ۲۰۱۴ء کا عنوان موجودہ مرکزی حکومت اور مسلم قائدین

ستمبر ۲۰۱۴ء کا عنوان اردو میں منقبت نگاری: آغاز وارتقا

۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۹؍ اپریل ۲۰۱۴ء کو مدرسہ ثنار العلوم اکبر پور میں بعنوان "فارغینِ مدارس، داعیانہ کردار کی ضرورت اور اس کے تقاضے" ایک سیمینار ہوا۔ اس سیمینار میں متعدّد اہلِ علم نے شرکت فرمائی۔ خطبۂ صدارت صدر العلماعلامہ محمد احمد مصباحی نے پیش فرمایا، اس خطبۂ صدارت کو مولانا جنید عالم مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے نقل فرما کر مرتب کیا۔ ہم ذیل میں اس خطبۂ صدارت کو پیش کرتے ہیں، اسی کے ساتھ مولانا ساجد علی مصباحی کا گراں قدر مضمون بھی شامل کر رہے ہیں۔

فارغین مدارس میں داعیانہ کردار کی ضرورت اور اس کے تقاضے

از: علامہ محمد احمد مصباحی. صدر المدرسین الجامعة الاشرفیہ، مبارک پور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم أمّا بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرّجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

میں سب سے پہلے مدرسہ ثنار العلوم (اکبر پور) کے ذمہ داران کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے دعوت کے موضوع پر سیمینار رکھا اور اس پر اہل علم کو سوچنے سمجھنے اور لکھنے بولنے کی ترغیب اور دعوت دی۔ کیوں کہ اس موضوع پر بہت کم غور وخوض کیا جاتا ہے۔

ابھی آپ نے ہمارے محترم ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی سے ایک وقیع مقالہ سماعت فرمایا جوں کہ دعوت کے موضوع کو نصاب میں شامل کرنے کی بھی سفارش کی گئی اس لیے آپ نے نصاب کے مقاصد پر روشنی ڈالی اور یہ بتایا کہ اسلامی تعلیم کا نصاب کن اجزا سے مرکب ہونا چاہیے اس کی عمدہ تفصیل کی، خاص طور سے اخلاق اور تصوف کی شمولیت پر زور دیا اور کئی بار انھوں نے اس نصاب کا ذکر کیا جو انھوں نے اتر پردیش مدرسہ بورڈ کے لیے تیار کیا تھا۔

لیکن یہ عجیب بات ہے ۱۹۳۴ء سے لے کر آج تک اتر پردیش مدرسہ بورڈ کا جو نصاب تھا وہ کبھی جاری نہیں ہوا اور کبھی بھی اس کو عملاً نافذ نہیں کیا گیا۔ کبھی اس کی تدریس باضابطہ اور مکمل طور پر نہیں ہوئی، آج تو امتحان کھیل بن کر رہ گیا ہے پہلے جب امتحان باضابطہ ہوتا تھا اس وقت بھی کچھ کتابیں اور کچھ مضامین امتحان سے پہلے پڑھا دیے جاتے تھے اور باقی یوں ہی کام چلا دیا جاتا تھا۔ بحیثیت مجموعی بیش تر کتابوں کے دونوں نصابوں میں اشتراک کی وجہ سے کام چل بھی جاتا تھا۔

کیا نصاب ہے کیا ہونا چاہیے اور کیا پڑھنا پڑھانا چاہیے اور کس طور سے پڑھنا پڑھانا چاہیے؟ یہ بات ہماری سوچ سے بہت دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔

عموماً مدرس یہ سمجھتا ہے کہ جو وقت مدرسہ نے مقرر کر رکھا ہے وہ وقت ہم کو پورا کر دینا ہے اور پھر ہم فارغ ہو گئے، طالب علم کے اندر کوئی صلاحیت پیدا ہو یا نہ ہو۔ مزید بگڑتا ہوا جو ماحول ہے وہ یہ ہے کہ پانچ گھنٹے یا

چھ گھنٹے ڈیوٹی بھی ضروری نہیں ہے، مدرسے کے رجسٹر میں دستخط ہوجانا کافی ہے۔ ان سارے اصحاب کی تطہیر سب سے زیادہ ضروری ہے۔ کم سے کم اپنے ایمان اور اسلام کے واسطے سے یہ سوچیں کہ ہمارا دین کسی بھی امانت میں خیانت کرنے کی اجازت نہیں دیتا، ہم خود کسی کو اجیر کرلیں اور وہ ہم سے آنکھ مچولی کرکے چلا جائے تو ایک پیسہ کا ہم اسے حق دار نہیں کہیں گے۔

لیکن آج مدرسے کا فارغ التحصیل عالم اس طرح کے عمل کو کوئی جرم نہیں سمجھتا اور کوئی گناہ نہیں شمار کرتا۔ جب ایمانی وفکری پستی اس حد تک پہنچ چکی ہو تو اس ماحول کی اصلاح کیسے کی جاسکتی ہے اور اس ماحول کو کارآمد کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ **یہ ہمارے لیے سب سے بڑا چیلنج ہے۔**

کوئی بھی نصاب ہو، کوئی بھی نظام ہو جس کو ہم نافذ کرنا چاہتے ہیں آج کا مدرس اور ماحول اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے تو ہماری ساری فکر ہمارے دماغوں میں، ہماری کتابوں میں بند ہوکر رہ جاتی ہے اور عملی دنیا کا رنگ نہیں دیکھ پاتی۔ اس لیے آج جب خود ان فارغین کی تطہیر ہو اور ان کے اندر اپنے دین کے تحت، اپنے ایمان کے تحت یہ احساس پیدا ہو کہ ہمارے اوپر اللہ تعالی کی طرف سے جو فرائض عائد کیے گئے ہیں ان میں ایک فرض یہ بھی ہے کہ جس کام کو ہم بطور اجارہ عمل میں لا رہے ہیں اس کام میں کسی بھی طرح کی خیانت کے ارتکاب سے بچیں اور یہ بھی دیکھیں کہ جس ذمہ داری کو ہم لے رہے ہیں اس کے ہم اہل ہیں یا نہیں اگر نہیں ہیں تو اہلیت پیدا کریں اور اس کام کو جس طرح سے انجام دینا چاہیے اس طرح سے انجام دینے کی کوشش کریں۔

میں یہ سب کے بارے میں نہیں کہتا۔ بحمدہ تعالی بہت سے اساتذہ ایسے ہیں جو اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہیں اور انھیں کی بدولت آج طلبہ کے اندر کچھ علمی، کچھ عملی، کچھ فکری شعور پیدا ہوتا ہے لیکن ایک عام بیماری اور ایک عام خرابی جو پیدا ہوتی چلی جارہی ہے اس کو ذکر کرنا اور اس پر بند باندھنا بہت ضروری ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ایسے افراد کی تعداد گھٹ نہیں رہی ہے بلکہ بڑھتی ہی چلی جارہی ہے اور ہم کسی بھی مجبوری کے تحت ایسے لوگوں کو قبول کرتے ہیں اور ان کے ساتھ اپنا رویہ نرم رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں یا مجبور بن جاتے ہیں۔ اس لیے یہ ماحول جب تک ختم نہ ہو تب تک ہمارا کوئی بھی منصوبہ پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہمارا دینی شرعی کوئی بھی منصوبہ جیسے ہم چاہتے ہیں ویسے بروئے عمل نہیں آسکتا۔

جہاں تک بات ہے دینی دعوت کی تو یقیناً انبیاے کرام کی آمد کا مقصد یہی تھا کہ خلق خدا کو خدا کی دعوت دی جائے، اس کی راہ پر لگایا جائے اور اس کے دین پر چلایا جائے اور تمام انبیاے کرام نے اپنی ظاہری زندگی تک تا حد امکان اس کام کو انجام دیا۔ یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ نے تیئیس سالہ زندگی کے اندر سارے حقوق کو انجام دینے کے بعد بھی حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں کو جمع کرکے ارشاد فرمایا: أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ — کیا میں نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا؟ اور اس پر ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابۂ کرام کو گواہ بنایا۔

یقیناً علماے کرام کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ امت کو حق کی اور نیکی کی دعوت اور ترغیب دیں۔

جہاں تک نصاب کی بات ہے تو اس کے متعلق میں یہ عرض کروں گا کہ ہمارا جو قدیم نصاب رہا ہے اور جو نصاب آج ہے دونوں میں قرآن و حدیث کی تعلیم داخل ہے۔ جب ہم نے قرآن اور حدیث کی تعلیم دے دی تو قرآن دعوت کی تعلیم بھی دے رہا ہے۔ حدیث بھی دعوت کی تعلیم دے رہی ہے۔ اسی طریقے سے اخلاق کی تعلیم، یہ بھی قرآن و حدیث میں موجود ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دعوت کو ایک الگ عنوان اور موضوع کے طور پر نصاب میں جگہ نہیں دی گئی اسی طریقہ سے تصوف کو ایک الگ موضوع کے طور پر نصاب میں جگہ نہیں دی گئی۔

لیکن ہمارے اسلاف جو نصاب پڑھاتے تھے اس پر عمل کی ترغیب بھی دیتے تھے کم از کم حافظ ملت علیہ الرحمہ کے زمانے تک کے ہم شاہد ہیں کہ انھوں نے بھی جو نصاب پڑھا ہے اس میں بھی تصوف کو ایک مضمون کی حیثیت سے الگ نہیں کیا گیا اسی طریقہ سے دعوت کو، موعظت کو، تبلیغ کو ایک مضمون کی حیثیت سے الگ نہیں کیا گیا لیکن ان حضرات کی تعلیم اس طریقے سے ہوتی تھی اور اس نیت سے پڑھتے پڑھاتے تھے کہ ان کو اس پر عمل بھی کرنا کرانا ہے اس لیے وہ شروع سے ہی اخلاق کے پابند اور تہذیب و شائستگی کے حامل ہوا کرتے تھے خوف خدا ان کے اندر موجزن ہوا کرتا تھا اور وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتے تھے اور جو کچھ بھی پڑھتے تھے اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے تھے۔

آج چوں کہ پڑھنا صرف پڑھنے کے لیے رہ گیا ہے یا پڑھنا ذریعۂ معاش بن چکا ہے اس لیے وہ عملی زندگی میں بہت کم جگہ پاتا ہے۔ پھر قواعد وکلیات کے بعد جزئیات اور فروع پر توجہ اور یہ کہ ایک کلیہ سے بہت سے احکام متخرج ہوتے ہیں ان تک لوگوں کے ذہن کی رسائی نہیں ہوپاتی ہے اسی لیے پہلے جو کتابیں ہوتی تھیں ان کے اندر تمرینات

نہیں ہوتی تھیں اساتذہ وطلبہ از خود قواعد کا اجرا کرتے کراتے تھے اور آج ہر کتاب کے اندر تمرینات ہوتی ہیں مشق کے لیے سوالات ہوتے ہیں اس سے ذہن کو بیدار کیا جاتا ہے اور متوجہ کیا جاتا ہے۔ تو جس طریقہ سے نحو صرف منطق وفلسفہ وغیرہ علوم وفنون میں نصاب کے اندر ہم نے ترمیم کی ہے، آج کے حالات اور ضرورت کے پیش نظر ہم دعوت کو بھی ایک الگ موضوع کی حیثیت دے سکتے ہیں۔

تصوف کو ایک موضوع کے طور پر ہم نے شامل نصاب کر لیا ہے اور ہمارے نصاب میں حدیث کا ایک بڑا حصہ جو اخلاق سے متعلق ہے شامل ہے، ریاض الصالحین شامل ہے اور منہاج العابدین شامل ہے۔ دعوت کو بھی ایک موضوع کے طور پر شامل کیا جا سکتا ہے۔

دعوت کا تعلق زیادہ تر پریکٹیکل یعنی عمل سے ہے ہم کتنے ہی اصول وضوابط، قوانین وقواعد پڑھ لیں پڑھا لیں اگر عملی دنیا میں قدم نہیں رکھا تو مقصد ہی حاصل نہیں ہوگا۔ دعوت کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات ہم دوسروں تک کیسے پہنچائیں، ان کو اسلام سے کیسے روشناس کرائیں، اسلام کا گرویدہ کیسے بنائیں؟ اس کے لیے ظاہر ہے کہ غیروں سے ملنا ہوگا ان کو قریب لانا ہوگا یا کوئی شریعت سے برگشتہ ہو رہا ہے تو اس کو اس کے قریب لانا ہوگا۔ ہم نے اس پر تو بڑی سختی سے عمل کر لیا کہ اگر کوئی آدمی ذرا سا برگشتہ ہوا تو اس کو اپنے ماحول سے نکال باہر پھینک دیتے ہیں، اس سے ملنا جلنا ترک کر دیتے ہیں لیکن اس پر کبھی غور نہیں کیا کہ اگر ایک آدمی کچھ بگڑ رہا ہے تو کیسے اس کو سدھارا جائے، کیسے اس کو راہ راست پر لایا جائے، دین سے یا اسلام سے وہ دور ہو رہا ہے تو کیسے اس کو واپس لایا جائے اور اس کے ذہن کی خرابی کیسے دور کی جائے؟؟ یہ کام ہم انجام دیتے رہتے تو ہماری تعداد گھٹتی نہیں، بڑھتی رہتی۔

دوسرے لوگ تو اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کس کے اندر ۱۰ رفیصد، ۵ رفیصد، ۲ رفیصد ہماری طرف میلان ہے کہ ہم اس کو اپنی گود میں لے لیں اور اس کو اپنے ماحول میں ڈھال لیں اور اپنے جیسا بنا لیں۔ اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی ۲ رفیصد بھی منحرف ہو رہا ہے یا اس کا ذہن بگڑ رہا ہے تو اس کو پہلے ہی مرحلے میں ہم اپنے درمیان سے نکال دیتے ہیں اور دوسرے بہت خوشی سے اس کو اپنے اندر ضم کر لیتے ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے افراد گھٹتے جا رہے ہیں اور ان کے افراد بڑھ رہے ہیں۔ جب کہ ہمارا فرض ہوتا ہے کہ جس کا ذہن بگڑ رہا ہے یا ذرا بھی خراب ہو رہا ہے تو اس کی اصلاح کی جائے، اس کے اعتراضات کو دفع کیا جائے، اس کو جو شبہہ ہے، جو شک ہے اس کو دور کیا جائے اور پھر اسے حق سے قریب کیا جائے، یہ فریضہ ہم انجام نہیں دے رہے ہیں اور دانستہ ہم اس کو عمل میں نہیں لا رہے ہیں اس سے ہمارا، ہماری ملت کا اور ہماری جماعت کا بہت ہی عظیم نقصان ہو رہا ہے۔

نصاب بنانا پھر نصاب کے مطابق علما وفضلا تیار کرنا یہ تو بعد کا کام ہے ہمارے گرد وپیش کے جو رہنے والے ہیں ان کے ذہنوں میں جو شکوک وشبہات پیدا ہو رہے ہیں ہم آسانی سے ان سے مل کر ان کا ازالہ کر سکتے ہیں، ان کو اپنے قریب لا سکتے ہیں یہ کام تو ہمیں ابھی انجام دینا چاہیے... دوسری طرف حال یہ ہے کہ ہمارا ماحول روز بروز بگڑتا جا رہا ہے اور ابتر ہوتا جا رہا ہے۔

جلسہ ہماری دعوت کا ایک واحد راستہ رہ گیا تھا، یہ آج کے جلسے کیسے ہو رہے ہیں، ان جلسوں میں بڑا اہتمام ہوتا ہے، بڑا انتظام ہوتا ہے، لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں ہر طرف سے مجمع اکٹھا کیا جاتا ہے لیکن ان جلسوں میں لوگوں کو کیا دیا جا رہا ہے اس کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ اب ان کا مقصد زیادہ سے زیادہ نعرے لگانا رہ گیا ہے۔

یہاں آپ کے سیمینار میں بھی نعرہ لگ گیا جب کہ ہم نے سیمینار میں نعرہ لگتے ہوئے نہیں دیکھا۔ یہ ماحول کی دین ہے۔ ایک گھنٹے کی تقریر میں کم از کم سو مرتبہ نعرے لگیں تو تقریر بہت کامیاب ہے، مقرر کیا کہہ رہا ہے، کیا بیان کر رہا ہے اس سے کوئی غرض نہیں۔ جذباتی کچھ باتیں کہہ دیں تو اس پر نعرہ لگانا آج کا آدمی اپنا فرض سمجھتا ہے۔ یہ ماحول بن چکا ہے اور اس کی وجہ سے جو بھی دعوتی کام ہمارے اسٹیجوں سے ہو سکتا تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ جب کہ ان جلسوں کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔ ہم جو جلسہ منعقد کریں اس کے لیے افراد پہلے سے متعیّن کریں کہ کن لوگوں کو دعوت دینا ہے اور ان کے لیے موضوع بھی متعیّن کریں کہ کس موضوع پر آپ کو خطاب کرنا ہے اور ایسے لوگوں کو متعیّن کریں جو اپنے موضوع کی پوری تیاری کر کے آئیں اور سامعین کو کچھ دے کر کے جائیں۔

جو بھی آپ کے ماحول کی ضرورت کا موضوع ہو اس کو منتخب کیجیے اور اس کے مطابق افراد کو بلائیے چاہے نعرہ لگانے والے کم ہی رہیں یا نعرہ لگانے کی ضرورت ہی نہ پیش آئے۔

لیکن آج خود ہمارے علما کا، ہمارے فارغین کا مزاج بگڑ چکا ہے جب تک کوئی جذباتی تقریر کرنے والا جس کی تقریر میں بار بار نعرہ لگے، (ایسا کوئی) نہیں آئے گا تو جلسہ ہی نہ ہوگا۔ یہ سب مزاج بن چکا ہے۔ آدھی رات تک تو مشاعرہ ہوتا ہے اور مشاعرہ میں بھی شاعر کیا پڑھ رہا

ہے اس کے اشعار میں کون سی بات اچھی ہے، کون سی بری اس پر کوئی غور کرنے والا نہیں، واہ واہ کرنا، انعام دینا، پیسے لٹانا یہ آج کا ماحول بن چکا ہے اور علما اس پر توجہ نہیں دیتے۔

جو جلسے خاص علما کی نگرانی میں، ان کی سرپرستی میں، ان کی تگ و دو سے منعقد ہوتے ہیں ان جلسوں میں بھی یہ حال ہے کہ دیر تک نظمیں پڑھائی جاتی ہیں، نذرانے دیے جاتے ہیں، انعام دیے جاتے ہیں اور پھر مقرر کی باری اُس وقت آتی ہے جبکہ کوئی سننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اگر کوئی مقرر، شعلہ بار قسم کا آ گیا تو وہ اپنی تقریر کر لے گیا اور اگر سنجیدہ بولنے والا آیا تب تو اس کی ناکامی رکھی ہوئی ہے۔ اگر ہم آج جلسوں کی اصلاح کریں تو ان کے ذریعہ ہمارا جو دعوتی کام ہو سکتا ہے وہ کم از کم انجام پائے۔

اور جو دعوتی کام دعوت اسلامی، سنی دعوت اسلامی کے ذریعہ ہو رہا ہے یہ بھی کم اہمیت کا حامل نہیں ہے کیوں کہ جو افراد ابھی بھی اہل سنت سے دور ہیں یا وہ پورے طور سے واقف نہیں ہیں یہ انھیں عقیدے سے بھی واقف کراتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ نماز اور خیر سے بھی قریب کرتے ہیں، اخلاق اور شائستگی سے بھی آراستہ کرتے ہیں تو ان کو بھی کام پر لگانا اور اگر ان کے اندر کوئی خامی پائی جا رہی ہے تو اس کو دور کرنا آج کے علما کی ذمہ داری ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ خواہ مخواہ خامی نکالی ہی جائے اور جو چیز جائز کے دائرے میں آتی ہے اسے ناجائز بنانے کی کوشش کی جائے لیکن جو ایک عظیم کام سنیت کی تبلیغ کا، عمل کی تبلیغ کا ان کے ذریعہ ہو رہا ہے اس پر قدغن لگانا یا اس کو روکنا اور ان کی ٹانگ پکڑ کر کھینچنا یہ کسی طرح دانش مندی اور عقل مندی نہیں ہے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ تبلیغی جماعت بہت سوچ سمجھ کر میدان میں اتاری گئی کہ نماز اور کلمہ کے نام میں ایسی کشش ہے کہ ان کے نام پر ہر کلمہ پڑھنے والا اس کی طرف مائل ہو جائے گا اور اس نام پر ہماری دعوت کو قبول کر لے گا، ہمارے پاس آنا جانا شروع کر دے گا اور جب ہمارے ماحول میں آئے گا تو ہم جیسا چاہیں گے اس کو ڈھال لیں گے۔ اس کا جواب ہمارے پاس تقریباً پچاس سال تک نہیں تھا جس کی وجہ سے ہماری آبادیوں کا بڑا حصہ ان کے ہاتھ میں چلا گیا۔

پھر اس کے بعد ہمارے یہاں دعوت اسلامی پیدا ہوئی اور اس نے اپنے طرز پر کام کرنا شروع کیا اور بہت سے لوگ جو محض عمل کی رغبت کی وجہ سے تبلیغی جماعت کے ساتھ ہو گئے تھے انھوں نے ان کے ساتھ جانا چھوڑ دیا اور دعوت اسلامی کے ساتھ ہو گئے، کم از کم وہ تو گمراہی سے بچے۔

جب تبلیغی جماعت والوں نے کام کرنا شروع کیا تو ان کے جاہلوں نے یہ بھی کہنا شروع کیا کہ تبلیغی جماعت کے پیچھے چلنے میں ہمیں وہ باتیں معلوم ہوئیں جو ہمیں بڑے بڑے علما کی درس گاہوں میں نہیں ملیں، ہم تو وہ باتیں جانتے ہیں جو علمی درس گاہ والے بھی نہیں جانتے لیکن ان کے علما نے اس طعنے کو برداشت کیا اور برملا کہا کہ اگر چہ وہ ہمیں حقیر سمجھتے ہیں لیکن وہ جو کام کر رہے ہیں وہ ہم سے نہیں ہو سکتا۔

وہ گھر گھر پہنچ کر ہماری دعوت پہنچا رہے ہیں ہماری جماعت سے جوڑ رہے ہیں ہم تو درس گاہوں میں بیٹھے ہیں ہم سے یہ کام نہیں ہوگا۔ اس لیے انھوں نے ان کی تائید کی اور آج وہ بڑی بڑی آبادیوں میں اپنا کام کر رہے ہیں۔

پھر ہمارے اندر آپسی اختلافات اور ایک دوسرے سے حسد اور منافرت کا جذبہ اتنا بڑھا ہوا ہے کہ اچھے کام کو بھی برا بنانے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں، چاہیے یہ کہ جہاں تک ہو سکے جو کام اچھا ہو رہا ہے اسے ہونے دیں اور جو خرابی ہمارے جلسوں میں پیدا ہو چکی اس کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

موضوع دعوت باقاعدہ نصاب میں ایک سبجیکٹ کے طور پر شامل ہو سکتا ہے مگر اس کے شامل ہونے میں دیر لگے گی تو فی الحال کم از کم ہم ترغیب تو دے سکتے ہیں، اپنے طلبہ کو تو بتا سکتے ہیں کہ تمھاری ذمہ داری ہے کہ مدرسہ کے آس پاس اور قرب و جوار کی بستیوں میں جا کر کچھ بتانے سمجھانے کا کام کرو، طلبہ کو اس طرح کے مضامین بتائے جائیں، سکھائے جائیں، کتابوں کی رہ نمائی کر دی جائے یا تقریر کے ذریعہ ہی بتا دیا جائے۔ خود مدرسین اس کے لیے تیار ہوں اور جیسا کہ آج یہ رائیں آئی ہیں کہ درس قرآن، درس حدیث کا سلسلہ جاری کیا جائے تو مدرسین اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ الغرض فوری طور پر کوئی کام بغیر بڑے اقدام کے ہو سکتا ہے تو ہمیں یہ کر لینا چاہیے اور اسے بڑھانے، پھیلانے کی کوشش بھی کرنی چاہیے، ہمہ گیر ماحول بننے میں ذرا دیر لگے گی۔

آپ حضرات مبارک باد کے مستحق ہیں کہ آپ نے اس راہ میں پیش قدمی کی اور کم از کم اس طور پر سوچنے سمجھنے کی دعوت دی ان شاءاللہ عزوجل اس کا ثمرہ اور نتیجہ حاصل ہوگا اور فائدہ سب کو ملے گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ جو مقالات آئے ہیں اور جو خلاصہ تیار ہوا وہ شائع ہوگا اور آپ تک پہنچے گا بھی۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی تطہیر کریں، اپنے دل و دماغ کو صالح و نیک بنائیں، اپنی ذمہ داریوں کا

احساس کریں اور اپنے احباب اور دوستوں میں جو بھی تدریس کی لائن سے وابستہ ہیں انھیں بھی احساس دلائیں، ان کو ایمان کا واسطہ دیں کہ آپ سے جو ذمہ داری وابستہ ہے اسے آپ ادا کرنے کی کوشش کریں۔ اگر آپ تدریس کی لائن سے وابستہ ہیں تو اس کو ایک فریضہ کے طور پر دیانت داری اور امانت داری کے ساتھ انجام دیں تو اگلی نسل اچھی اور بہتر پیدا ہو سکتی ہے اور آج آپ کی لاپرواہی دوسروں کے اندر بھی لاپرواہی منتقل کرتی رہے گی اور یہ نسلاً بعد نسلٍ بڑھتی رہے گی اس لیے اپنی اصلاح کرنا، اپنے ماحول کی اصلاح کرنا، اپنے طلبہ کی اصلاح کرنا فوری طور پر ہم سب کی ذمہ داری ہے اور جو بھی مزید خوبی ہمارے نصاب میں ، ہمارے ماحول میں ہو سکتی ہے یقیناً ہم اس کے اوپر سنجیدگی سے غور کرتے رہیں اور اس کے لیے دل سے آمادہ ہوں تو بہت کچھ انقلاب پیدا ہو سکتا ہے۔ ربِّ قدیر ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔☆☆☆

دعوت وتبلیغ کے حوالے سے موجودہ نصاب ونظام تمام طلبہ کے لیے مفید ہے یا ان کے معیار کے مطابق تبدیل ہونا چاہیے۔

مولانا محمد ساجد علی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

مدارسِ اسلامیہ کے قیام کا بنیادی مقصد کتاب اللہ [قرآن کریم] اور سنتِ رسول اللہ [احادیث کریمہ] کی تعلیم واشاعت، اسلام اور شعائرِ اسلام کی حفاظت وصیانت، اسلامی اقدار کی نگہبانی وپاسبانی، ملّتِ اسلامیہ کی دینی، ملی ، دعوتی ضروریات اور اس کے تقاضوں کی تکمیل وانجام دہی، اور ایسے علمائے باعمل ورجالِ کار کو تیار کرنا ہے جو ایک طرف اسلامی علوم ومعارف کے ماہر وخادم، دینِ اسلام کے مبلغ وداعی، قرآن وحدیث کے مفسر وشارح، دینی کردار کے حامل، فکری اعتبار سے کامل، احکام شرع پر عامل اور صراطِ مستقیم پر گام زن ہوں اور دوسری طرف مسلمانوں کی دینی وملی قیادت کی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور قوم وملت کی اصلاح وخدمت کے جذبے سے سرشار ہوں۔

اس مقصدِ خیر کے پیشِ نظر ہمارے اسلاف واکابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایسا جامع اور مفید نظامِ تعلیم وتربیت نافذ فرمایا جو مذکورہ بالا اغراض ومقاصد کی تکمیل میں بے حد مفید اور کامیاب ثابت ہوا۔ ماضی میں ان مدارس اسلامیہ نے کتاب وسنت کے علوم ومعارف کی ترویج واشاعت، مسلمانوں کے علمی، دینی اور ثقافتی ورثے کے تحفظ، ملک وملت کی تعمیر وترقی اور احیائے اسلام کی جدوجہد کے حوالے سے جو قابلِ قدر کارنامے انجام دیے ہیں، وہ ہماری علمی، دینی اور ثقافتی تاریخ کے انتہائی روشن اور تابناک ابواب ہیں۔

لادینیت کے گھٹاٹوپ اندھیرے اور مذہب بیزاری کے موجودہ پر آشوب ماحول میں جو اسلامی تہذیب ومعاشرت اور دینی عبادات ورسوم اور مذہبی، دینی غیرت وحمیت اور اسلامی بیداری پائی جا رہی ہے، وہ ان ہی مدارسِ اسلامیہ اور ان سے وابستہ علمائے کرام کی مساعی جمیلہ کے مظاہر واثرات ہیں۔

■ دورِ حاضر کے فارغینِ مدارس میں دعوتی عنصر کیوں مفقود ہوتا جا رہا ہے؟

دورِ حاضر میں مدارسِ اسلامیہ اگرچہ بظاہر اسلاف واکابر کے مقرر کردہ نظام ونصاب کے مطابق خدمات انجام دے رہے ہیں، مگر پھر بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں اکثر کے معیارِ تعلیم وتربیت میں انحطاط وپستی در آئی ہے جس کے نتیجہ میں ہمارے فارغینِ مدارس میں خدمتِ خلق کا جذبہ ناپید اور دعوت وتبلیغ کا عنصر مفقود ہوتا جا رہا ہے؛ اس لیے مدارسِ اسلامیہ کے منتظمین واساتذہ، اہل ثروت وارباب خیر، بلکہ ہم سب پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم اپنا محاسبہ کریں، انحطاط وپستی کے اسباب وعوامل کا جائزہ لیں اور حسبِ حیثیت اصلاح کی کوشش کریں۔

ہمارے خیال میں اس وقت فارغینِ مدارس کے اندر خدمتِ خلق اور دعوت وتبلیغ کے حوالے سے جو انحطاط رونما ہے اس کے بعض اسباب وعوامل درج ذیل ہیں:

[۱] آج مدارس اسلامیہ میں عموماً طلبہ کی استعداد ولیاقت بڑھانے پر تو کسی قدر توجہ دی جاتی ہے، لیکن ان کی عملی تربیت اور کردار سازی کا ذرا بھی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ اس کے نتیجے میں وہ باصلاحیت عالم تو ہو جاتے ہیں ، لیکن ایک اچھا انسان نہیں بن پاتے اور جب میدانِ عمل میں اترتے ہیں تو وہ دعوت وتبلیغ کی اہمیت وافادیت سے بے خبر اور اس کے اصول وضوابط سے ناآشنا ہوتے ہیں؛ اس لیے وہ دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دینے سے کتراتے ہیں۔ مثل مشہور ہے ”خفتہ را خفتہ کے کند بیدار“۔ سویا ہوا شخص سوئے ہوئے شخص کو کیسے بیدار کر سکتا ہے۔

[۲] مدارس کے منتظمین جب اساتذہ کا انتخاب کرتے ہیں تو ان کی علمی صلاحیت اور قابلیت کے بارے میں کسی قدر معلومات حاصل کرتے ہیں، لیکن ان کے تقویٰ وطہارت اور اخلاق وکردار کے بارے میں پتہ لگانا عبث خیال کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں بے عمل اساتذہ کا انتخاب ہو جاتا ہے اور پھر ان کے زیر سایہ طلبہ کی عملی زندگی برباد ہوتی چلی جاتی ہے سچ کہا ہے کسی نے ؎

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں　　آدمی، آدمی بناتے ہیں

[۳] ہم مدرسین ومنتظمین عملی طور پر اپنے طلبہ کو یہ سمجھانے سے قاصر ہوتے ہیں کہ وہ خیر امت ہیں اور ان کا فرض منصبی ہی دعوت وتبلیغ ہے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ [پارہ ۴، آل عمران ۳، آیت ۱۱۰]

[ترجمہ] تم بہتر ہو اُن سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ [کنزالایمان]

اور ہم ان کے ذہن وفکر میں یہ حقیقت اتارنے کی کوشش نہیں کرتے کہ اگر ہم نے اپنے اس فرض منصبی کا لحاظ نہیں رکھا اور دعوت وتبلیغ کا عمل ترک کر دیا تو اللہ جل شانہ ہم پر عذاب نازل فرمائے گا اور ہماری دعائیں بھی قبول نہیں ہوں گی۔ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں:

"وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُوْنَ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ".

[سنن الترمذي، باب مَا جَاءَ فِي الأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ، رقم الحديث ۲۳۲۳]

[ترجمہ] قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم بھلائی کا حکم ضرور دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر عذاب نازل فرمائے، پھر تم دعائیں کرو تو تمھاری دعا قبول نہ کی جائے۔

[۴] اساتذہ اور منتظمین تعلیمی ترقی اور اس کے استحکام کے لیے وقتاً فوقتاً کچھ غور خوض کر بھی لیتے ہیں، لیکن دعوت وتبلیغ کے فروغ کے لیے عموماً کچھ سوچنے کی بھی زحمت گوارہ نہیں کرتے۔ اور اس میدان میں ہماری ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ اکثر ذمہ داران مدارس اور بعض مدرسین خود ہی بے عمل ہوتے ہیں، ان میں بعض کو دیکھ کر لگتا ہی نہیں کہ وہ کسی دینی ادارہ کے ذمہ دار ہیں یا کسی ذمہ دار مدرسہ کے مدرس کے ملازم ہیں؛ اس لیے انھیں دعوت وتبلیغ کی اہمیت بھی سمجھ میں نہیں آتی، وہ توان باتوں پر زیادہ دھیان دیتے ہیں جن پر عمل کرنے سے آمدنی اور شہرت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو سکے۔ ہم دوسروں کو تو یہ درس دیتے ہیں کہ خلوص سے کام کریں رزق اللہ تبارک وتعالیٰ ضرور دے گا، لیکن عملاً اس کا مظاہرہ نہیں کرتے۔

[۵] اہلِ ثروت اور اربابِ خیر حضرات بھی عموماً ان نیک بندوں کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں کرپاتے جو خود کو دعوت وتبلیغ کی خاردار وادیوں میں ڈال دیتے ہیں، اور وہ بے یار ومددگار کچھ دنوں میں تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں اور کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں ہوتا۔ ان کا ظاہری نقصان اور ناکامی دیکھ کر دوسرے افراد اس میدان میں قدم رکھنے کا حوصلہ بھی نہیں کرپاتے، جس کے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دعوت وتبلیغ کا میدان بالکل خالی پڑا رہتا ہے۔

■ فارغینِ مدارس میں دعوتی فکر وکردار، بیدار اور پائیدار کرنے کے لیے مدارس کے نصاب اور نظام میں کیا تبدیلی ہونی چاہیے؟

ہمارے مدارس کا موجودہ نصاب تو بہتر ہے، اس میں کسی خاص تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں! ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم طلبہ کی تعلیم و تربیت کے لیے وہ طریقے اختیار کریں جو ہمارے اسلاف واکابر کا طرۂ امتیاز تھا مثلاً:

[۱] طلبہ کی علمی استعداد ولیاقت بڑھانے پر جس قدر توجہ دیتے ہیں اس سے کہیں زیادہ ان کی عملی تربیت اور کردار سازی کا اہتمام کریں۔ طلبہ کے دلوں میں خشیتِ الٰہی کی آب یاری کریں اور ان میں عبادت کا ذوق پروان چڑھائیں، ان کے اعمال واخلاق اور معاشرت وآداب کو سنت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کا فرمان ہے: "ایسی تعلیم جس میں تربیت نہ ہو، بے سود ہی نہیں بلکہ نتیجتاً مضر ہے"۔

[۲] مدارس اسلامیہ میں داخل ہونے والے طلبہ کی ذہن سازی کریں اور اپنے قول وعمل سے ان کے ذہن وفکر میں یہ حقیقت اتار دیں کہ اس تعلیم کا مقصد رضائے الٰہی حاصل کرنا ہے، نام ونمود، فخر ومباہات، سرکاری ملازمتوں کا حصول یا محض دنیا کمانا نہیں ہے؛ کیوں کہ ان کاموں کے لیے علم دین حاصل کرنے پر شدید وعید کا ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ رحمتِ عالم ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَعْنِي رِيحَهَا. [سنن ابی داود، باب فی طلب العلم لغیر اللہ تعالیٰ، رقم الحدیث ۳۶۶۶]

[ترجمہ] جس علم سے رضائے الٰہی حاصل کی جاتی ہے، اگر اسے کوئی شخص صرف دنیا کمانے کے لیے حاصل کرے گا تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔

دوسری حدیث میں ہے:

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ، أَوْ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ، أَوْ لِيَصْرِفَ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ، فَهُوَ فِي النَّارِ.

[سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۲۵۳]

[ترجمہ] جو شخص بے وقوفوں سے لڑنے جھگڑنے یا علمائے کرام پر فخر ومباہات کرنے یا لوگوں کو اپنی جانب مائل کرنے کے لیے علم دین حاصل کرے گا وہ جہنم میں جائے گا۔

ہاں! اس علم کی تحصیل کا بنیادی مقصد خدا اور رسول کو راضی کرنا، احکام اسلام کو سمجھنا، پھر حکمت و دانائی کے ساتھ اسے دوسروں تک پہنچانا ہے، رَبِّ کریم کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً . فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ [پارہ۱۱، التوبہ۹، آیت ۱۲۲]

[ترجمہ] اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں، تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں، اس امید پر کہ وہ بچیں۔ [کنزالایمان]

[۳] اساتذہ کے انتخاب میں علمی فضل و کمال کے ساتھ صلاح و تقویٰ کا جمال بھی دیکھیں، درسی کتب کی استعداد و لیاقت کے ساتھ سلیم الطبع، بلند اخلاق و کردار کے حامل اساتذہ کا انتخاب کریں؛ تاکہ وہ طلبہ پر اپنے علم و فضل کے ساتھ کردار و عمل کا بھی نمایاں اثر چھوڑیں۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ فرماتے تھے:

"ہوشیار طلبہ وہ ہیں جو اساتذہ سے علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی سیکھتے ہیں"۔

اب اگر اساتذہ بے عمل ہوں اور طلبہ ہوشیار، تو وہ ان سے بد عملی ہی تو سیکھیں گے۔ اور اس کا وبال انتظامیہ پر بھی ہوگا کہ انھوں نے ہی ایسے اساتذہ کا انتخاب کیا ہے۔

[۴] اساتذۂ کرام اس کا خیال رکھیں کہ ان کا فرض منصبی صرف طلبہ کو درس گاہ میں پڑھا دینے سے ادا نہیں ہوتا؛ بلکہ یہ بھی ان کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ طلبہ کے اعمال و اخلاق کی اصلاح اور ان کی تربیت کا بھی اہتمام کریں۔

[۵] اساتذہ اور انتظامیہ سبھی اس کا لحاظ رکھیں کہ دارالاقامہ کا نظام بہت چست اور شفاف ہو، نمازوں کے اہتمام اور طلبہ کی وضع قطع پر خاص نظر رکھیں، ان میں اتباعِ سنت کا جذبہ بیدار کریں، طلبہ کو مطالعہ اور مذاکرہ کا عادی بنانے کی کوشش کریں، اور ماہ دو ماہ میں ایک بار ضرور طلبہ کو نصیحت کریں، دعوت و تبلیغ کی اہمیت بتائیں اور پڑھنے کے ساتھ اس پر عمل کرنے بھی پر آمادہ کریں۔

■ دنیاوی تعلیم یافتہ طبقہ تک دعوتِ دین پہنچانے کے لیے فارغین مدارس کو کن تیاریوں کی ضرورت ہے؟

تبلیغ دین کے لیے اپنے مخاطبین کے مزاج و فکر سے ہم آہنگ دَورِ حاضر کے بہترین وسائل کا استعمال اشد ضروری ہے؛ کیوں کہ دعوتِ دین کے وہ طریقے جو گزشتہ اَدوار میں رائج تھے، وہ اُن زمانوں کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ و ترقی یافتہ تھے، لیکن اب دَور جدید میں ان کا استعمال ایسا ہی ہے جیسا کہ میدانِ جنگ میں ایٹم بم اور میزائلوں کے بجائے تلوار اور نیزے کا استعمال کرنا۔

آج دعوت و تبلیغ کے ایسے وسائل و ذرائع ایجاد ہو چکے ہیں جن کی مدد سے سالوں کا کام مہینوں میں اور مہینوں کا کام دنوں میں پہلے سے بہت اعلیٰ طریقے پر ہو سکتا ہے۔ ان میں پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا وغیرہ بہت ترقی یافتہ سمجھے جاتے ہیں۔ اس مقصدِ خیر کے لیے ذاتی ویب سائٹس، ای میل، اور انٹرنیٹ وغیرہ کا استعمال بھی بہت مفید ہے۔

اور یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اِس زمانہ میں دنیاوی تعلیم یافتہ طبقہ کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ دینی جلسوں میں شریک ہو، یا دینی معلومات کے لیے خطیر رقم خرچ کر کے بڑی بڑی اسلامی کتابیں خریدے اور اُن کا مطالعہ کرے۔ آج وہ اپنے گھر کے گوشہ میں بیٹھ کر انٹرنیٹ کی مدد سے پوری دنیا کی خبریں حاصل کر رہا ہے، اور اسی کے ذریعہ دینی معلومات بھی حاصل کرنا اس کا مزاج بن چکا ہے۔

اس لیے آج مدارس اسلامیہ کے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ وہ اپنے طلبہ کو بقدرِ ضرورت اِن جدید آلات کی تعلیم و تربیت دیں اور اِن کے استعمال کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے ان پر بھی کافی توجہ دیں؛ تاکہ جب یہ فارغ ہو کر میدانِ عمل میں قدم رکھیں تو ان جدید آلات کے ذریعہ دنیاوی تعلیم یافتہ طبقے سے ان کی زبان میں، ان ہی کے پسندیدہ میدان میں کھڑے ہو کر خطاب کر سکیں اور تقریر و تحریر کی صورت میں ان تک اسلامی تعلیمات پہنچا سکیں۔

آج انٹرنیٹ نے وسیع و عریض دنیا کو ایک گاؤں بلکہ ایک گھر کی شکل میں بدل دیا ہے اور اب ایک انسان کا دائرہ کار ایک دو شہر نہیں بلکہ پوری دنیا ہو چکی ہے؛ اس لیے علمائے کرام کو چاہیے کہ دین کی دعوت و تبلیغ کے لیے انفارمیشن ٹیکنالوجی کے استعمال کی تربیت ضرور حاصل کریں۔

■ اَن پڑھ اور دیہاتی عوام اہلِ سنت میں دینی بے داری لانے کے لیے کیسے اسلوب و لائحۂ عمل کی ضرورت ہے؟

☆ اَن پڑھ اور دیہاتی عوام اہلِ سنت میں دینی بے داری لانے کے لیے ضروری ہے کہ انفرادی طور پر یا وفد کی صورت میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ ان سے تبلیغی ملاقاتیں کی جائیں، اس خصوصی رابطے کا اثر بہت مفید اور نتیجہ خیز ہوگا۔ اس کی بدولت خود بخود تنظیمی حلقے بھی بنتے جائیں گے اور اس سے ان کے اندر دینی بے داری پیدا کرنے میں کافی آسانی ہوگی۔

لیکن اس کام کے لیے ایک بنیادی شرط یہ بھی ہے کہ اُن کے درمیان دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں جانے والے حضرات اسلامی اخلاق و کردار سے خوب آراستہ ہوں اور ان کے اندر عوام کی سخت و سست باتیں برداشت کرنے کی قوت بھی ہو؛ اس لیے کہ وہ سادہ لوح، بھولے بھالے بندگانِ خدا مبلغین کے اقوال و افعال کو اپنے لیے نمونہ و سند بناتے ہیں اور بسا اوقات نادانی کی وجہ سے

کچھ الٹا سیدھا بھی سناتے ہیں۔

☆کبھی کبھی انھیں جمع کر کے وعظ و نصیحت کی جائے اور ان کی عملی تربیت کے لیے وضو کر کے دکھایا جائے، ضرورت معلوم ہو تو پھر ان سے اپنے سامنے وضو کرایا جائے، اسی طرح نماز پڑھنے کا طریقہ سکھایا اور سمجھایا جائے۔

☆ احکام شرع پر عمل کرنے کے اخروی فوائد کے ساتھ انھیں اس کے دنیوی فوائد بھی بتائے جائیں اور بزرگوں کے احوال وواقعات سے اس کی مثالیں بھی پیش کی جائیں ؛کہ آج انسان نفع عاجل کی فکر میں زیادہ رہتا ہے ،جب اسے معلوم ہوگا کہ احکام شرع پر عمل کرنے سے اس کی صرف آخرت ہی بہتر نہیں ہوگی، بلکہ اس کی دنیا بھی روشن و تابناک ہوجائے گی تو ضرور اس کے دل میں رغبت بڑھے گی۔

■ اسلام وسنیت کے علاوہ دیگر اَدیان وفِرق کے لوگوں کو اپنے دین ومذہب کی طرف راغب کرنے کے لیے فارغینِ مدارس کو کن اسلحوں سے لیس ہونے کی ضرورت ہے؟

اس وقت دعوت وتبلیغ کے مختلف ذرائع بہت کامیاب ہیں ،لیکن ان میں سے کس ذریعے کو کہاں استعمال کرنا ہے، اس کا انحصار مبلغ کے دعوتی مقاصد، اس کے اسباب ووسائل، مخاطبین کی تعداد اور دعوتی پیغام کی نوعیت پر ہوتا ہے۔

مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایمان ویقین، اخلاق وکردار ،عزم وحوصلہ ،اخلاص وللّٰہیت اور علمی رسوخ کی روشنی ہر میدان میں لازمی ہے ،اس کے بغیر دعوت وتبلیغ کا کوئی ذریعہ بھی آپ کے لیے بہت مفید اور زیادہ نفع بخش نہیں ہوسکتا۔

☆آج دنیا کے بے شمار دانشور اور اربابِ فکر ونظر اَدیانِ عالم کا تقابلی مطالعہ کرنے میں سرگرم ہیں ،ایسے میں اگر فارغینِ مدارس اسلامی نظریات کو جدید علوم کی روشنی میں پیش کرنے کا ہنر سیکھ لیں، تو اس کی مدد سے وہ ایسے لوگوں کو مذہبِ اسلام سے قریب، بلکہ اس کا پیرو کار بنا سکتے ہیں۔

☆مذہب اسلام سے متعلق جو غلط فہمیاں عام ہو رہی ہیں ،ان کا تجزیہ کیا جائے ،عقلی ونقلی دلائل سے ان کا مناسب جواب دیا جائے اور اسلام کی صحیح تصویر پوری دنیا کے سامنے پیش کی جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ فارغینِ مدارس اپنے اندر عصرِ حاضر کی ترقی یافتہ زبانوں میں لکھنے اور بولنے کی صلاحیت پیدا کریں ،اسلام مخالف مواد کا بنظرِ غائر مطالعہ کریں ،پھر ٹھوس اور مضبوط دلائل کی بنیاد پر مختلف زبانوں میں تحریر وتقریر کے ذریعہ ان غلط فہمیوں کا ازالہ کریں۔ اس عمل سے وہ حضرات ضرور متاثر ہوں گے جو واقعی اسلام کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

☆ ہر دَور میں دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عہد کا چیلنج اسی طرز پر قبول کریں جو ان کے زمانہ کا تقاضا ہو؛ اس لیے آج مبلغین پر لازم ہے کہ ایسے علوم بھی حاصل کریں جن سے دفاع ممکن اور پائیدار ہوسکے۔ حضور ﷺ نے خود ایسی تدابیر کو اپنایا اور دشمن کی چالوں کو ناکام بنایا۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور رحمتِ عالم ﷺ نے سیدنا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ آپ یہود کی کتابت اور خط سیکھیں اور ان کی زبان ولغت سے آگاہی حاصل کریں۔ گویا حضور ﷺ نے اس کے ذریعہ یہود کے مکر وفریب اور دھوکہ سے نجات کی تدبیر فرمائی اور ان کے دغا وفریب سے چھٹکارے کی سبیل نکالی۔

☆ان کے مناسب حال ان کو ہندی، انگریزی وغیرہ زبانوں میں ایسے کتابچے اور پمفلٹ مہیا کیے جائیں جن میں صحیح اسلامی نظریات موثر لب ولہجے میں قلم بند کیے گئے ہوں، وہ کتابچے اور پمفلٹ عام فہم ہونے کے ساتھ ہی جاذبِ نظر بھی ہوں، تاکہ وہ شوق سے اسے پڑھیں اور ان کے دل کی دنیا میں روح پرور انقلاب آئے۔

☆ دیگر اَدیان ومذاہب کے لوگوں میں دعوت وتبلیغ کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں ان کے معتقدات اور نظریات کا بھی اچھی طرح علم ہو؛ لہٰذا جو فارغینِ مدارس اس میدان میں قدم رکھنا چاہتے ہیں انھیں پہلے اپنے مخاطبین کے معتقدات ونظریات کا بھی علم حاصل کر لینا چاہیے کیوں کہ اس طریقے سے ان کے دل میں گھر کرنے کا راستہ ہموار ہوتا ہے۔

کامیاب مسلمانوں کا کام خود ہی بیماری کی تشخیص کرنا اور پھر اس کے لیے مناسب دوا اور علاج فراہم کرنا ہے، انھیں اس انتظار میں نہیں رہنا چاہیے کہ دوسرے لوگ چل کر اپنے علاج کے لیے ان کے پاس آئیں، بلکہ انھیں خود ہی روحانی بیماروں کے پاس جانا چاہیے اور ان کے لیے مناسب علاج کا بندوبست کرنا چاہیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ [پارہ ۴، آل عمران ۳، آیت ۱۰۴]

[ترجمہ] اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بُری بات سے منع کریں اور یہی لوگ مُراد کو پہنچے۔ [کنز الایمان]

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ. [پارہ ۱۴، النحل ۱۶، آیت ۱۲۵]

[ترجمہ] اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ (یعنی خَلق کو دین اسلام کی دعوت دو) پکّی تدبیر اور اچھی نصیحت سے، اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب

سے بہتر ہو۔[کنزالایمان]

◘ مدارس کا نظام و نصاب تمام طلبا کے لیے یکساں ہونا مفید ہے ؟ یا ان کے مزاج و معیار کے مطابق ہونا چاہیے ؟ بصورت دیگر دعوتی ہدف پانے کے لیے نصاب و نظام میں کیا تقسیم ہونی چاہیے ؟

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ کسی مدرسہ کا نظام و نصاب خواہ کتنا ہی بہتر کیوں نہ ہو، وہ تمام طلبہ کے لیے یکساں مفید اور کارآمد نہیں ہو سکتا؛ کیوں کہ طلبہ کے مزاج و معیار، فراست و دانائی، عزم و حوصلہ اور فہم و بصیرت میں کافی تفاوت ہوتا ہے، یوں ہی مستقبل میں ان کے مقاصد اور اہداف بھی جداگانہ ہوتے ہیں ؛اس لیے ہمارے خیال میں مدارس کے نظام و نصاب میں طلبہ کے مزاج و معیار کا لحاظ ہونا چاہیے۔

اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ درجۂ رابعہ [مولویت سالِ دوم] تک تمام طلبہ کے لیے نظام و نصاب یکساں ہو اور اس درمیان اساتذہ طلبہ کے اندر مخفی صلاحیتوں کا جائزہ لیتے رہیں اور اس پر گہری نظر رکھیں کہ کس طالب علم کو کس فن سے دلچسپی ہے، کون طالب علم کس میدان میں بہتر طور پر دین اسلام کی خدمت انجام دے سکتا ہے۔ پھر اسی کے لحاظ سے آگے کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔ مثلا:

☆جن طلبہ کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ وہ فہم و فراست میں خلل کی وجہ سے بہت کامیاب عالم دین نہیں ہو سکتے، تو انھیں ایک سال میں قرآن کریم کی قراءت اور بہارِ شریعت وغیرہ فقہی کتابوں سے ضرورت کے مسائل کی خوب تعلیم و تربیت دی جائے اور پھر اذان و امامت کے لیے انھیں میدانِ عمل میں اتار دیا جائے۔

☆جن طلبہ کے متعلق یہ محسوس کیا جائے کہ وہ بہتر مدرس بن سکتے ہیں، انھیں اسی لحاظ سے آگے کی تعلیم دی جائے، یعنی وہ فضیلت کا مقررہ کورس پورا کریں ؛کہ وہ ان کے لیے بہت مفید اور نفع بخش ہوگا۔

☆ جن طلبہ کا ہدف یہ ہو کہ وہ فراغت کے بعد پرنٹ میڈیا یا الیکٹرانک میڈیا سے منسلک ہو کر دین اسلام کی خدمت کریں گے ، انھیں دینی علوم و معارف کے ساتھ اردو، عربی، ہندی اور انگریزی زبان و ادب کی بھی تعلیم و تربیت دی جائے اور تحریر و تقریر میں مافی الضمیر کو ادا کرنے کے لیے خوب سے خوب تر طریقے کی رہنمائی کی جائے، تاکہ جب وہ مدرسہ سے نکل کر اس میدان میں قدم رکھیں تو کسی کے دست نگر نہ رہیں اور اپنی بات مناسب اور موثر انداز میں دنیا کے سامنے پیش کر سکیں ۔

☆اسی طرح جن طلبہ کا مقصد یہ ہو کہ وہ مدرسہ سے نکلنے کے بعد جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مذہبِ اسلام پر ہونے والے حملوں کا دفاع کریں گے اور ان کے اعتراضات کا مسکت اور دنداں شکن جواب دیں گے، انھیں درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد ایک یا دو سال جدید ذرائع ابلاغ سے متعلق تعلیم و تربیت دی جائے اور اسلام دشمن عناصر کی زہر افشانیوں کے سدِّباب کے لیے مناسب ہدایت و رہنمائی کی جائے، ان کے باطل افکار و نظریات پر شب خون مارنے کا ہنر سکھایا جائے ، تاکہ جب وہ میدان عمل میں اتریں تو صرف دفاعی پوزیشن میں نہ ہوں ،بلکہ دو قدم آگے بڑھ کر قوم کے نام نہاد بہی خواہوں پر حملہ آور بھی ہو سکیں ۔

☆ اس طرح جن طلبہ کے اندر جس طرح کا ذوق و شوق ہو اور جس میدان میں کام کرنے کی بہتر صلاحیت و استعداد نظر آئے انھیں اسی کام کے لیے تیار کیا جائے، اس راہ میں درپیش مشکلات کا حل تلاش کیا جائے، اور مدارس میں ان کی بہتر تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے۔

مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اربابِ حل و عقد، مدارس اسلامیہ کے منتظمین، اساتذہ اور اہلِ خیر حضرات باہم مل بیٹھ کر مناسب لائحۂ عمل طے کر لیں ، مختلف مدارس کو مختلف میدان میں کام کرنے کا ذمہ دار بنائیں ؛کیوں کہ ہر مدرسہ یہ سارے کام انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہر ایک کے پاس اتنے وسائل ہی ہیں ۔ لہٰذا اگر مل بیٹھ کر ان گوشوں پر غور ہو جائے تو ان شاءاللہ ہمارے فارغین ہر میدان میں کامیاب و کامران نظر آئیں گے اور ہمارے ذریعہ دین اسلام کی بہ سے بہتر خدمت انجام پا سکے گی۔

آج کے مقابلاتی دور اور ہوش رُبا ماحول میں دنیا کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ملے گا جس میں کام کرنے کے لیے تربیت یافتہ ہونا شرط نہ ہو، یا کم از کم کام کرنے والوں کو بار بار اس کام کی ٹریننگ نہ دی جاتی ہو، مگر افسوس! ہمارے یہاں عموماً کسی کام کے لیے کسی قسم کی تربیت دینے یا تربیت لینے کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی۔

طالب علم نے جیسے ہی مدرسہ کا نصاب مکمل کیا، یا ادھورا ہی چھوڑ کر باہر میدان میں آیا، امامت کے لیے مصلیٰ پر کھڑا کر دیا گیا یا خطابت کے لیے اسٹیج پر پہنچا دیا گیا، تدریس کے لیے کسی درس گاہ میں بیٹھا دیا گیا یا فتویٰ لکھنے کے لیے کسی دار الافتا کی ذمہ داری سونپ دی گئی ، دعوت و تبلیغ کے لیے اسے مامور کر دیا گیا یا اجازت و خلافت دے کر حلقۂ مریداں میں بھیج دیا گیا، یہ ہماری جماعت کا عام مسئلہ ہے جسے ہر شخص بخوبی جانتا ہے۔

اب آپ ہی بتائیں کہ بغیر تربیت کے یہ سارے اہم کام کتنے عمدہ طریقے پر انجام پا سکیں گے ؟ لگتا ہے کہ آج ہماری اسی بے توجہی کا نتیجہ ہے کہ ہر میدان میں ہم ناکام ہو رہے ہیں اور پھر اپنی ناکامی چھپانے میں خانہ جنگی کا شکار ہو رہے ہیں اور ہمارا دشمن سامنے کھڑا مسکرا رہا ہے۔ ☆☆☆☆

نقد و نظر

نام کتاب :	قمر الهداية فی البيعة والولاية
مصنف :	سید شاہ قمر الہدیٰ قادری ابو العلائی علیہ الرحمہ
تخریج :	مولانا فیاض احمد مصباحی / مولانا رضاء المصطفیٰ مصباحی
ترتیبِ جدید:	مولانا سید شاہ فیضان الہدیٰ قادری مصباحی
صفحات :	۱۰۴
ناشر :	بارگاہِ شاکریہ ایجوکیشنل مشن، پنڈ شریف، شیخ پورہ، بہار
مبصر :	محمد طفیل احمد مصباحی

تحلی بالفضائل اور تخلی بالرذائل کا نام تصوف ہے۔ یعنی تصوف کہتے ہیں کہ انسان اپنے وجود کو ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ اخلاقِ رذیلہ سے پھیر کر علم و عمل، زہد و اخلاص، صبر و شکر، عفت و حیا اور کرم و حلم وغیرہ اخلاقِ حسنہ و صفاتِ محمودہ سے آراستہ کر لے، جس سے دنیوی زندگی بھی سنورتی ہے اور اخروی سعادت بھی حاصل ہوتی ہے۔ یہی وہ تصوف ہے جس سے صحابۂ کرام، تابعین عظام و اسلافِ ذی احترام متّصف تھے اور یہی تصوف کا ماحصل اور خلاصہ بھی ہے۔

زیرِ نظر کتاب "قمر الہدایہ" تصوف اور اس کے متعلقات پر ایک گراں قدر مفید اور اسم با مسمیٰ رسالہ ہے۔ مصنف علام حضرت سید شاہ قمر الہدیٰ قادری ابو العلائی علیہ الرحمہ چودھویں صدی ہجری کے نصف اول میں صوبہ بہار کے ایک جامع شریعت و طریقت اور حاویِ معقول و منقول عالم دین تھے، آپ خانقاہ شاکریہ کے دوسرے سجادہ نشیں ہوئے۔ پوری زندگی دعوت و تبلیغ اور اصلاح و ارشاد میں گزاری اور وعظ و تقریر کے ساتھ تصنیف و تالیف کے ذریعہ بھی مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچایا۔ اردو زبان میں مندرجہ ذیل کتابیں آپ کی خوب صورت یادگار ہیں۔

[١]کشف القناع [٢] لمعاتِ قمر یه (تصورِ شیخ اور بعض اعمالِ شیخ پر مدلل و محققانہ رسالہ)[٣]ضیاے قمر (شب و روز کے اوراد و وظائف، حیاتِ اولیا اور شفاعت کا بیان) [٤] انوار قمر معروف به حذب البحر (مشہور دعا کے فوائد سے متعلق تحقیقی مضامین) [٥] تجلیاتِ قمر [٦] قمر الهدایه [٧] وجدِ قمر [٨] معمولاتِ قمر [٩] قمر الحج۔

ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کے ساتھ مصنف کے بڑے گہرے مراسم تھے اور ملک العلما کو آپ کے علم و فضل پر وثوق و اعتماد تھا۔ حضرت ملک العلما "قمر الحج" کی تقریظ میں لکھتے ہیں:

"حضرت واعظِ خوش بیان، مقررِ شیریں زبان، جامع معقول و منقول، حاویِ فروع و اصول، ہادیِ شریعت، رہبرِ طریقت مولانا مولوی حاجی سید شاہ قمر الہدیٰ صاحب قبر سجادہ نشیں خانقاہ منعمیہ شاکریہ پنڈ شریف۔ صاحبِ تصانیفِ کثیرہ و تالیفاتِ شہیرہ ہیں۔ ان کی سب کتابیں دینیات کا ذخیرہ ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کتابوں کو منگوا کر ان سے دینی فائدہ اٹھائیں۔"

اس اقتباس سے آپ مصنف کے علم و فضل اور محاسن و کمالات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اب کتاب کا ایک مختصر تعارف ملاحظہ فرمائیے۔

سلسلۂ تصوف کی اس مبارک کڑی میں کل سولہ ابواب ہیں اور ہر باب اپنی اہمیت و معنویت کے لحاظ سے پر از معلومات اور اپنی مثال آپ ہے۔

پہلا باب: باطنی کمالات کے ثبوت میں۔ دوسرا باب: طریقت کے ثبوت میں۔ تیسرا باب: ولایتِ کبریٰ و صغریٰ کے ثبوت میں۔ چوتھا باب: بیعتِ طریقت کے ثبوت میں۔ پانچواں باب: بیعت کے مختلف طریقوں کے ثبوت میں۔ چھٹا باب: بیعت کا حقیقی معنیٰ۔ ساتواں باب: منکرینِ بیعت کے اعتراضات اور ان کے مدلل جوابات۔ آٹھواں باب: قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے علم اور عالم کی ضرورت ہے۔ نواں باب: ان لوگوں کا اطمینان بخش رد و جواب جو کہتے ہیں کہ مرید یعنی بیعت و ارادت کا کوئی فائدہ نہیں۔ دسواں باب: فوائدِ بیعت کا بیان۔ گیارہواں باب: بعض کہتے ہیں کہ شیخِ کامل نہیں ملتا ہے، اس کا ثبوت اور جواب۔ بارہواں باب: شیخ کامل کی پہچان۔ تیرہواں باب: مرشدانِ گرامی کے آداب۔ چودہواں باب: مریدین کے آداب۔ پندرہواں باب: سلسلہ محمدیہ کی تحقیق۔ سولہواں باب: قبر میں شجرہ رکھنے کا ثبوت و جواز۔

پوری کتاب میں حوالوں کا بھرپور التزام ہے اور بڑے عالمانہ و محققانہ انداز میں اپنے مدعا کو ثابت کیا گیا ہے۔ اسلوب بیان سنجیدہ، عام فہم اور سادہ و دل نشیں ہے۔ حسبِ حال فارسی اشعار کی آمیزش نے کتاب کے حسن کو دو بالا کر دیا ہے۔ غرض کہ کتاب ہر اعتبار سے اپنے قارئین کو ہدایت کی روشنی عطا کرتی ہے اور دعوتِ مطالعہ دیتی ہے۔ ظاہری و باطنی خوبیوں سے مالامال اس کتاب کو منظرِ عام پر لانے کا سہرا حضرت مولانا سید فیضان الہدیٰ قادری مصباحی کے سر جاتا ہے۔ سید صاحب اپنے آبا و اجداد اور خاندانی بزرگوں کی کرم خوردہ کتابوں کو جدید رنگ و آہنگ کے ساتھ طباعت و اشاعت کے زہرہ گداز مراحل سے گزار کر بہت بڑا کام انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ انھیں جزائے خیر سے نوازے اور ان کے اہداف کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ محبِ گرامی مولانا فیاض احمد مصباحی و مولانا رضاء المصطفیٰ مصباحی نے تخریج و تصحیح کا کام بہت محنت سے انجام دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پروف کی غلطیاں نہیں کے برابر ہیں۔ دو چار احادیث کی تخریج نہیں ہو پائی ہے۔ امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کا تدارک ہو جائے گا۔ دیگر خانقاہوں کے سجادگان کو بھی اس میدان میں پیش قدمی کی ضرورت ہے تاکہ ہمارے اسلاف کے وقیع علمی سرمائے کا تحفظ ہو سکے۔ ☆☆☆☆

منظومات

ہیچ ہیں لفظ و بیاں آپ کی مدحت کے لیے

رب کی درگاہ میں بندوں کی فضیلت کے لیے
حبِ سرکار ضروری ہے عبادت کے لیے

جب زباں کھولی ہے سرکار کی مدحت کے لیے
آ گئے جن و ملک بزم میں شرکت کے لیے

منبعِ فیض ہیں انوارِ ہدایت کے لیے
"سارے اصحاب نبی تارے ہیں امت کے لیے"

یا نبی جس کو بھی جو چاہیں عطا فرمائیں
ملتجی میں بھی ہوں اک چشمِ عنایت کے لیے

آپ کے ذکر سے ملتا ہے طبیعت کو سکوں
آپ کا نام ہے کافی مری راحت کے لیے

آپ کے عدل و مساوات کے چرچے ہر سو
آپ مشہورِ خلائق ہیں مروت کے لیے

دل میں اخلاص و وفا شرط بھی ہے لازم بھی
ان کی رحمت کے لیے، ان کی مودّت کے لیے

فرش بھی زیرِ قدم، عرش بھی ہے زیرِ قدم
کوئی تمثیل کہاں شانِ رسالت کے لیے

کتنی صدیوں سے ہے دنیا رقم انداز مگر
نامکمل ہیں محاسن ابھی سیرت کے لیے

رب کے محبوب کی ہر لمحہ اطاعت کرنا
ہم پہ لازم ہے یہی رب کی محبت کے لیے

اے محمد ورفعنا لک ذکرک والے
ہیچ ہیں لفظ و بیاں آپ کی مدحت کے لیے

جذبۂ عشقِ رسولِ عربی لازم ہے
ورنہ محشر میں ترس جاؤ گے رحمت کے لیے

یہ بھی اعجازِ محبت ہے کہ غوث الاعظم
منتخب ہو گئے سرتاجِ ولایت کے لیے

جس طرح فاتحِ اقلیم نکلتا ہے کوئی
گھر سے اس طرح نکلتے ہیں وہ ہجرت کے لیے

نام لیتا ہوں تو آنکھوں سے لگا لیتا ہوں
یہ بھی اعزاز ہے انگشتِ شہادت کے لیے

جو تھے فصحائے عرب ہو گئے سب مہربلب
رب سے قرآن ملا آپ کو حجت کے لیے

اب تو اس عجز سے ہارا مرے فن کا جادو
کون سا لفظ لکھوں آپ کی مدحت کے لیے

کج کلاہانِ جہاں سر کو جھکا رکھتے ہیں
اک نگاہِ کرم انداز و عنایت کے لیے

مجھ سے عاجز کی خبر لیجیے اے جانِ کرم
موسمِ ہجر تو قاتل ہے طبیعت کے لیے

میرے سرکار ہی تو شافعِ محشر ہوں گے
اے گنہگارو نہ گھبراؤ شفاعت کے لیے

دیکھنا، جذبۂ صادق ہے تو اک دن ہم بھی
جائیں گے روضۂ اطہر کی زیارت کے لیے

اب تو بس آرزوے دل ہے کہ نکلوں مسرورؔ
شہرِ طیبہ کی طرف نازشِ جنت کے لیے

☆☆☆☆☆

انس مسرور ترابی۔ سکراول، ٹانڈہ، امبیڈکر نگر

تفرقہ یوں ہی بہر لحظہ بڑھانا کیسا

دونوں ہم مذہب و مسلک ہیں تو جھگڑا کیسا
فقہی اور فرعی مسائل میں الجھنا کیسا

ہو نہ افہام اور تفہیم ، یہ سودا کیسا
ضد پہ ہم اپنی اڑے ہوں، یہ تماشا کیسا

ہو نہ تنقیح مسائل کی، یہ جذبہ کیسا
بس ہمیں حق پہ ہیں بیجا سا یہ دعوا کیسا

کچھ بھی احساس نہیں ہوتا کہ اِن باتوں سے
اہلِ سنت کا پریشان ہے طبقہ کیسا

کوئی صورت تو نکالیں یہ فقیہانِ حرم
تفرقہ یوں ہی بہر لحظہ بڑھانا کیسا

کیسا کسی کو نہیں احساس کہ اِن باتوں سے
ملتا ہے غیروں کو تضحیک کا حربہ کیسا

دوریاں ختم کریں، بغض و حسد کو چھوڑیں
اپنوں ہی کے لیے یہ جنگ کا نعرہ کیسا

ضائع کرتے ہیں بلا وجہ توانائی کو
صَرف ملت کے لیے ہو تو، ہو نقشہ کیسا

اہلِ سنت کا ہے آئینہ رضاؔ کا مسلک
مانتے سب ہیں، تو پھر اس میں الجھنا کیسا

ہائے افسوس کہ ہم مذہب و ہم مسلک پر
دَور تفریق و عداوت کا یہ آیا کیسا

کاش ہم اپنے بزرگوں کے عمل کو دیکھیں
مختلف رائے پہ بھی ان کا تھا شیوہ کیسا

☆☆☆☆

از: ڈاکٹر شکیل اعظمی

صدائے بازگشت

آہ انسان تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو۔۔۔!

مکرمی! .... سلام مسنون

آہ انسان تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو اپنے خدا کو بھول رہا ہے، وہ خدا جس کو بھولنا عقل و فہم کے خلاف ہے، کیا یہ سچ نہیں کہ اس نے تجھے پیدا کیا، عقل و شعور سے آراستہ و پیراستہ کیا، ائے انسان سوچ تو سہی کہ اگر کوئی دوائی دے دے اور اس دوائی سے شفا مل جائے تو دوا دینیوالے کی بڑی تعظیم اور توقیر کی جاتی ہے مگر کیا یہ سوچا کہ دوائی دینیوالے سے بے شمار زیادہ احسان اس کا ماننا چاہیئے جس نے دوائیوں میں موجود ذرات کو پیدا کیا اور اس میں مخصوص تاثیر محفوظ کیا ہے، آپ نے دیکھا ہو گا کہ جب کوئی شخص اولاد سے محروم ہوتا ہے تو اس کے لئے ہزار ہا بھاگ دوڑ کرتا ہے اور اگر حسن اتفاق کوئی اسے اپنی اولاد دینے یا اس بے اولاد کو بذریعہ علاج صاحب اولاد کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی بڑی قدر ہوتی ہے، مگر ہمیں جس اللہ نے ہمارے مانگے بغیر پیدا کیا، عقل و شعور بخشا اس کو ہم بھول جاتے ہیں، کیا یہ سچ نہیں کہ معاشرہ میں ایسے بہت لوگ ہیں جو خود کے گھر میں رہنے کے قابل نہیں ہوتے ہیں اور اپنے گھر کی کوشش میں جہد مسلسل کرتے ہیں، ایسے میں اگر کوئی انہیں رہنے کو گھر دے دے تو اسکو محسن سمجھا جاتا ہے مگر خدا نے ہمیں پوری دنیا کی زمین دی جس پر ہم کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، اور ادھر ادھر آتے جاتے ہیں مگر کیا خدا کے اس احسان کا شکریہ مکمل طور پر ادا کیا جاتا ہے۔

اے انسان ذرا سوچ کہ ایک ڈاکٹر اگر ہمیں بیہوشی اور کومہ میں جانے کے بعد ہوش میں لاتا ہے تو اس کی بات مانی جاتی ہے، اس کے حکم کو ٹالنے کی جرئت نہیں ہوتی مگر خدا ہر روز سونے کے بعد جگاتا ہے، کیا اس کی ہر بات مانی جاتی ہے، اس کے احکام پر عمل کئے جاتے ہیں، ائے انسان تو سوچ کہ جسمانی بیماریوں سے محفوظ ہونے کیلئے ڈاکٹروں کے مشورے مانے جاتے ہیں مگر اسی طرح کے احکام جب خدا دیتا ہے اسے محض مذہبی سمجھ کر چھوڑ دئے جاتے ہیں، کیا یہ غلط نہیں ہیں، چاند پر کمندیں ڈالنے والے اور سورج کی شعاوں کو گرفتار کرنے والے کی تعریف تو کرتا ہے مگر جس خدا نے چاند اور سورج کو پیدا کیا اس کی تعریف و توصیف کرنے کیلئے وقت نہیں نکالتا ہے، آہ انسان! جس نے تجھے دودھ پلایا اس کی بات تو مانتا ہے مگر جس نے خون کو دودھ کی ہیئت میں تبدیل کر دیا اس کی بات ماننے سے روگردانی کرتا ہے، تمھاری بیوی تمہیں جز وقتی راحت و فرحت فراہم کرے تو اس کی دلجوئی کے خاطر والدین کو بھی چھوڑنے پر تیار ہو جاتا ہے مگر تمھاری بیوی کو پیدا کیا اس کی خاطر عبادات سے روکنے والی بیوی کو چھوڑنے کیلئے تمھاری روح نکل جاتی ہے۔

ائے انسان سوچ کہ ہم نے کتنے مردے اپنے ہی ہاتھوں سے دفنائے، کتنے بچے ہماری نظروں کے سامنے بیمار ہوئے اور چل دئے، ہزاروں صحت مندوں نے اپنی جانیں کھو دیں، اربوں افراد زلزلے اور طوفان کے شکار ہوئے، سینکڑوں دنگے فسادوں میں لوگوں کو جل کر مرنا دیکھا مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بے شمار شکر و احسان ہے کہ ان میں شمار نا کیا اور زندگی کی لذتوں سے فیضیاب کرتا رہا ہم جیتے رہے، عبادت کم گناہ ہی زیادہ کرتے رہے مگر کبھی اس نے نہیں کہا کہ میں تجھے معاف نہیں کروں گا بلکہ ہر دور اور زمانے میں اسکی رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے، کتنی بری بات ہے کہ بجلی کا بل بھرتے ہیں اور دیر ہونے پر سود کے ساتھ ادا کرتے ہیں، کیوں کہ اس سے ہمارے اندھیرے گھروں میں اجالا ہوتا ہے، ہماری وحشت ختم ہوتی ہے، ہمارے دلوں سے خوف دور ہوتا ہے مگر جس نے رات اور رات کی تاریکی کو مفت روشنی کے ذریعہ دن کے اجالے میں تبدیل کر کے پوری دنیا کو مجلہ کیا اس کیلئے دو رکعت نماز پڑھنے کی فرصت نہیں، کیا عقل کا تقاضا یہ نہیں کہ چھوٹے سے بڑے کا مقام بلند اور بالا ہے پھر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ چھوٹے جس کی حیثیت عطائی اور فانی ہے اس کو مانا اور جانا جاتا ہے اس کی عبادت و پوجا کی جاتی ہے مگر جو ازل سے ہے ابد تک رہے گا، جو خود قادر و معطی ہے اس کی بارگاہ میں جھکنے سے شرم آتی ہے، اس کی عبادت تو دور کی بات اس کی توہین کرنے والے اور تکذیب کرنے والوں کیساتھ مخلوط نظام حیات کی تعمیر و تشکیل کی جا رہی ہے، کیا دھوپ اور گرمی سے بچنے کیلئے ایسی اور کولر کا اہتمام نہیں کرتے اور ان کے بنانے والے کی رہنمائی نہیں مانی جاتی اگر جاتی ہے تو پھر کیا بات ہے کہ دھوپ سے بچنے کیلئے جس نے درختوں کو پیدا کیا، اس میں مختلف پھل اور پھول پیدا کئے اس کی رہنمائیاں نہیں مانی جاتی ہیں اگر نہیں تو کیوں نہیں، اگر بعد میں مانیں گے تو کیوں، ہر کام کا دام کام کے بعد خدا کا انعام پہلے کام بعد میں، پیدا پہلے کرتا ہے، بولنا، چلنا، کھانا، پینا، سونا، جاگنا، بھاگنا، دوڑنا، رونا، ہنسنا، پہلے سیکھاتا ہے بعد میں جب تم سنبھل چکے ہوتے ہو اس وقت عبادت کا حکم دیتا ہے کیا پھر بھی خدا کی عبادت سے منہ موڑتا رہے گا، جانتے ہو!

خدا کی قدرت ہی ہے کہ ابر باراں سے مردہ زمینوں کو زندہ کرتا ہے، اناج اگاتا ہے، وقت پہ پانی برساتا ہے، طوفان و زلزلہ برپا کرتا ہے اور

اپنے ماننے والوں کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ کسی دوسرے سے توقع نہ کرکہ خداعطاکرنے میں سب سے بڑاہے، اپنے احوال کی اصلاح کر دنیا تیری قدم چومے گی، خدانے قرآن میں فرمایا ہے جس کا مطلب ہے کہ غم نہ کھا، فکر نہ کرتم ہی بلند و بالا ہو شرط ہے کہ اپنے ایمان میں مستحکم رہ، خدا کی محبت کا کیا کہنا انسان جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے خدا وہیں اس کو روزی دیتا ہے، پیدا ہونے سے پہلے دودھ کا انتظام کرتا ہے، اس کے باوجود انسان ہے کہ خدا کو بھول بیٹھا ہے جب کہ خدا کی عطا کے بغیر تنکا بھی ہل نہیں سکتا۔

از: محمد اختر علی واجد القادری، جامعہ اسلامیہ یتیم خانہ میرا روڈ ممبئ

اب توجاگو قائدینِ ملتِ بیضا

مکرمی! .... سلام مسنون

تازہ الیکشن نتائج میں جہاں دیگر سیکولر سیاسی پارٹیوں کے ساتھ کانگریس کی لٹیا تقریبًا پوری طرح سے ڈوبی، تو اس کی بڑی وجوہات میں کرپشن۔ مہنگائی۔ دورُخی پالیسی شامل ہیں۔ لیکن پارٹیوں سے ہٹ کر یہ الیکشن نتائج عام ہندوستانی سیکولر لوگوں کے لیے بے حد حوصلہ شکن ثابت ہوئے ہیں جس کا بڑا سبب مسلسل جاری رہنے والا آپسی انتشار ہے جس سے فائدہ حاصل کرنے کی لت سیکولر پارٹیوں کے ضمیر بلکہ خمیر میں رچ بس گئی تھی۔

جب کہ تازہ نتائج ہندوستانی مسلمانوں کے لیے مزید سخت مایوس کن ہیں۔ اِس کا قوی سبب ہمیشہ کی طرح اِس مرتبہ بھی صرف یہ ادھورا فیصلہ لینا ہے کہ کس کو ہرانا ہے اور مل بیٹھ کر یہ بنیادی فیصلہ اصلاً طے نہ کرنا کہ جتانا کس کو ہے۔ نتیجتًا مسلمانوں کا سارا ووٹ ہر مرتبہ کی طرح اِس مرتبہ بھی پچاسوں جگہ بکھر کر بے مقصد ہو گیا۔ مسلم قیادت کے نام سے متعارف شخصیات کا خود الگ الگ پارٹیوں کی سپورٹ کرنا اور ملتِ مسلمہ کو فیصلے کی نازک گھڑی میں چوراہے پر بے یار و مددگار اور حیران و پریشان چھوڑ دینا ہمیشہ کی طرح اِس بار بھی دیکھی گئی۔ الیکشن کے وقت بعض لوگوں کا یہ نہ بتا کر کہ تنہا ایک بی جے پی کو چھوڑ کر پچاسوں سیاسی پارٹیوں میں سے کس ایک کو ووٹ دیں اور صرف یہ اخباری اپیلیں جاری کرنا بے حد مضحکہ خیز رہتا ہے کہ مسلمان اپنا ووٹ بکھرنے نہ دیں۔ یہ سخت بھونڈا مطالبہ معلوم ہوتا ہے اور غریب مسلمانوں کی مجبوری کا مذاق اُڑانا لگتا ہے۔

مسلم قیادت کے خلوصِ نیت پر سوالیہ نشان اِس بات سے لگتا ہے کہ بیس کروڑ مسلم ووٹروں کو متحد کرنے کی نام نہاد کوشش کرنے والے گنتی کے بیس قائدین ہی آپس میں متحد نہیں ہو پاتے۔ لہذا کم از کم اِن قائدین کو کسی کے سامنے حالیہ انتخابی الیکشن نتائج پر مگر مچھ کے آنسو نہیں بہانے چاہئیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو سامعین کو چاہیے کہ وہ بروقت اُٹھ کر اُن سے کہہ دیں کہ وہ اُن کے زخموں کو مزید نہ کریدیں اور صبر کو بے قابو نہ کریں۔

لائحہ عمل: فوری طور پر جو ضروری ہے وہ یہ کہ درد مند اور کشادہ ذہن علمائے مسالکِ مختلفہ اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے دردمندی سے کوشاں رہنے والے مضبوط کردار کے متحمل دیگر مسلم دانشوران پر مشتمل ایک کثیر المقاصد بورڈ مستقل طور پر تشکیل دیا جائے۔ یہ بورڈ ایسا ہو جو اِس بات پر غور و فکر کیا کرے اور فیصلے لیا کرے کہ بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی، سماجی، تعلیمی، معاشی سطح پر درپیش مسائل کیسے جمہوری طریقے پر کیسے طے کیے جائیں۔ بحیثیتِ مجموعی یہ بورڈ ہندوستانی مسلمانوں کا ملکی سطح پر تنہا نمائندہ ہو۔ یہ اپنی سیاسی پارٹی نہ بنائے یا پھر سیکولر طاقتوں کے اشتراک سے اتنے اختلاط کے ساتھ کہ بظاہر یہ طے کرنا مشکل ہو کہ وہ دیگر سیکولر برادرانِ وطن کی پارٹی میں شریک ہیں یا دیگر سیکولر برادرانِ وطن اُن کی پارٹی میں۔

البتہ ہر دو صورت میں اپنی بے لوث سیاسی بصیرت اور دانشورانہ مہارت سے ملکی سیاست و حکومت میں غیر معمولی اثر و رسوخ حاصل کریں۔ جب وہ حکومت سے بات کرے تو مسلمانوں کو لگے کہ اُن کا کوئی نمائندہ بورڈ حکومت کے سامنے اپنی بات رکھ رہا ہے اور کوئی مطالبہ کرے یا کسی کی حمایت یا مخالفت یا تحسین و مذمت کرے تو اُس کے اثر سے ملکی سطح پر سارے مسلمانوں کے احساسات یک رُخی کے ساتھ متحد ہو جائیں۔

اِس موقع پر بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اب فیصلہ لینے کا وقت گزر چکا ہے، نئی حکومت آمادۂ تشکیل ہے، اِس حکومت میں کس طرح رہنا ہے یہ حکمت عملی اہم ہے جس پر توجہ کی ضرورت ہے۔ مگر ہماری گزارش ہے کہ ہمیں آپ کی بات سے کامل اتفاق ہے مگر یہ بھی حکمتِ عملی اُسی وقت صحیح طریقے سے طے پا سکتی ہے جب ایک دانشورانہ کثیر المقاصد نمائندہ تشکیل پا جائے۔ دوسری بات یہ کہ وقفے وقفے سے آتے رہنے والے ریاستی و مرکزی انتخابات اور بیچ کی مدت میں درپیش آتے رہنے والے نہایت چیلنج بھرے مسائل کا یہ کوئی مستقل حل نہیں کہ منتشر حالت میں فوری طور پر اتنا طے کر لیا جائے کہ نئی حکومت میں کس طرح رہنا ہے۔ حالاں کہ موجودہ منتشر حالت میں اتنی حکمتِ عملی کی تشکیل بھی مشکل ہے۔ کیوں کہ پائدار و مستحکم منصوبے اخباری بیانات سے نہیں طے نہیں پا سکتے۔ جب کہ موجودہ صورت میں مسلمان اِس کے علاوہ کر کیا سکتے ہیں۔

محمد ناصر مصباحی، مجلس فکر اسلامی، بریلی گیٹ، رامپور۔ یوپی۔ انڈیا

رودادِ چمن

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں جشن یوم مفتیِ اعظم ہند تحریری وتقریری مسابقہ میں اول دوم سوم نمبرات حاصل کرنے والے طلبہ کو خصوصی اور بقیہ کو تشجیعی انعامات سے نوازا گیا۔

طلبۂ جماعت سابعہ کے زیر اہتمام ۲۲/ مئی ۲۰۱۲ء کو الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے وسیع وعریض صحن میں جشن یوم مفتیِ اعظم ہند کا انعقاد کیا گیا، جس میں طلبہ نے مختلف عناوین پر مقالات تحریر کیے، اردو، عربی اورانگلش میں تقریریں کر کے مقابلہ میں حصہ لیا۔ ہرعنوان کے تحت اول ،دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو قیمتی کتابیں بطور انعامات خصوصی اور بقیہ کو تشجیعی انعامات دے کر حوصلہ افزائی کی گئی۔ مقالات میں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کی تفصیل کچھ اس طرح ہے ۔ جماعت اعدادیہ، عنوان [۱](شارح بخاری علیہ الرحمہ۔ حیات کے چند گوشے)اول محمد رضوان احمد کشن گنج ،دوم محمد رضوان عالم کوڈرما،سوم محمد ابصار سلطان پور۔جماعت اولیٰ ، عنوان[۲](محدث اعظم پاکستان حیات و خدمات)اول محمد حسنین رضا گریڈیہ، دوم محمد ابوذر غفاری پرولیا،سوم حسام الدین بن نجم الدین پرولیا۔جماعت ثانیہ، عنوان [۳] (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔حیات اور کارنامے) اول محمود احمد سلطان پور، دوم نعمان اختر مہراج گنج،سوم محمد عرفان احمد ہزاری باغ ۔جماعت ثالثہ، عنوان [۴](مرشد مفتی اعظم ہند سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ۔حیات وخدمات)اول محمد مزمل حسین مرزاپور، محمد ریاض الدین مظفر پور، سوم محمد نجم الدین مظفر پور۔ جماعت رابعہ،عنوان[۵](مجلس شرعی، مبارک پور، ایک تعارف) اول محمد ابو ہریرہ رضوی رام گڑھ ،دوم محمد عبد السلام مدنا پور، سوم محمد عمران خان سلطان پور۔جماعت خامسہ عنوان[۶] (اساتذۂ اشرفیہ کی تحریری و تصنیفی خدمات)اول محمد شاہد رضا سیتا مڑھی، دوم محمد انیس اختر کٹیہار، سوم محمد اعظم مبارک پور۔جماعت سادسہ، عنوان [۷](امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے تجدیدی کارنامے)اول ضیاء المصطفیٰ قادری مظفر پور، دوم محمد غوث رضا برکاتی بلرام پور، سوم نجم الدین حیدر بلرام پور۔جماعت سابعہ ،عنوان [۸](فتاویٰ مصطفویہ۔ تعارف و جائزہ)اول محمد رئیس اختر قادری بارہ بنکی، دوم غلام محمد ہاشمی اتر دیناج پور، سوم محمد داؤد کوثر اتر دیناج پور۔ فضیلت، عنوان[۹](التعلیق المجلی۔ تعارف وجائزہ)اول محمد فیض اللہ ہزاری باغ، دوم محمد سلیم گجرات، سوم محمد ظفریاب مظفر پور۔تخصص، عنوان[۱۰](فقہ اسلامی پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ)اول محمد امام الدین برکاتی گریڈیہ، دوم رضوان احمد بستی، سوم محمد شریف مرادآباد۔

تقریری عناوین میں اول دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کی تفصیل اس طرح ہے ، عنوان [۱](محمد رسول اللہ قرآن میں)اول محمد دلشاد احمد دیوگھر، دوم عبد المعبود سلطان پور، سوم محمد گل ریز رضا بریلی۔ عنوان [۲](اسلام اور انسانی حقوق)اول ابو سعید اتر دیناج پور، دوم محمد اظہر الدین اڑیسہ، سوم محمد صابر حسین گوپال گنج۔ عنوان ، [۳] (مفتی اعظم ہند اور اتباع سنت)اول محمد ضیاء الدین مبارک پور، دوم محمد زین العابدین اتر دیناجپور، سوم محمد اجمل الہ آباد۔

پروگرام میں بحیثیت مہمان خصوصی مناظر اہل سنت مفتی مطیع الرحمن مضطرؔ نے ”سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی جلالت شان “عنوان کے تحت خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حضور مفتی اعظم ہند کی پوری زندگی کتاب و سنت اور اتباع شریعت کے مطابق گزری ہے۔ چاہے حضر ہو یا سفر آپ کا معمول رہا ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی نماز کا وقت آجائے نماز پڑھتے اس کے بعد ہی کوئی کام انجام دیتے تھے ،آپ کی زندگی کا اکثر حصہ خدمت خلق میں گزرا ہے ،آپ طالبان علوم دینیہ کا حد درجہ خیال کرتے اور ان کے ساتھ مشفقانہ انداز میں پیش آتے تھے۔مفتی صاحب نے مزید کہا کہ حضور مفتی اعظم ہند شہزادہ اعلیٰ حضرت ہونے کے ساتھ سچے جانشین تھے۔ آپ کی تصنیف کردہ کتابیں اور فتاویٰ اپنی مثال آپ ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نے کہا کہ آپ کو الجامعۃ الاشرفیہ سے بے پناہ محبت تھی اس زمانہ میں ان کے مدرسہ مظہر اسلام سے جو رمضان المبارک کا اشتہار شائع ہوتا تھا اس میں الجامعۃ الاشرفیہ سے متعلق آپ کی جانب سے اعلان لگا ہوتا تھا کہ اہل خیر حضرات جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا تعاون کریں ۔مفتی صاحب نے حضور مفتی اعظم ہند سے متعلق بہت سارے واقعات کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا۔ اور کہا کہ اللہ کے فضل سے مجھے حضور کی خدمت کرنے کا موقع نصیب ہوا ہے اور آج میں جو کچھ ہوں انھیں بزرگان دین کی دعا کا ثمرہ ہے۔ آگے کہا کہ عہدِ حاضر میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور اپنی مثال آپ ہے ۔الحمد للہ جامعہ اشرفیہ کے

اساتذہ سے لے کر طلبہ تک جو دین متین کی خدمات انجام دے رہے ہیں وہ بڑی وقیع ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا محمد ادریس بستوی اور مولانا عبد المبین نعمانی نے بھی طلبہ کو نصیحت آمیز خطاب کیا۔

واضح رہے کہ تحریری مسابقہ میں اعدادیہ تا تخصص کے کل ۷۸۸ طلبہ نے اور مسابقہ تقریر میں کل ۲۴ طلبہ نے حصہ لیا۔ اس موقع پر جماعت سابعہ کی جانب سے شائع ہونے والی کتاب "انتصار الحق فی اکساد اباطیل معیار الحق" کا جامعہ اشرفیہ کے پرنسپل خیر الاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی کے ہاتھوں رسم اجرا ہوا۔

پروگرام کا آغاز محمد سرفراز احمد کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا، مصطفیٰ رضا اور شاداب نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ ساجد الرحمن بستی پوری نے ہدیہ تشکر اور مصطفی رضا نے قصیدہ بردہ شریف پیش کیا۔

پروگرام کی صدارت جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث علامہ عبد الشکور مصباحی اور نظامت مولانا صدر الوریٰ مصباحی اور مولانا غلام سرور مصباحی نے کی جب کہ سرپرستی عزیز ملت پیر طریقت حضرت علامہ الشاہ عبد الحفیظ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے فرمائی۔

اس موقع پر مولانا اسرار احمد مصباحی، مولانا اعجاز احمد مصباحی، مولانا عبد الحق مصباحی، ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ مولانا مبارک حسین مصباحی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا عبد الغفار اعظمی، مولانا عارف اللہ مصباحی، مولانا وحید الحق مصباحی، مولانا اختر حسین فیضی، مولانا حسیب اختر مصباحی، مولانا ساجد علی مصباحی، اور مولانا غلام دستگیر مصباحی وغیرہ کے علاوہ جامعہ کے کثیر اساتذہ موجود تھے۔

از: محمد رحمت اللہ مصباحی

آفس انچارج تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور

(ص: ۵۴ کا بقیہ)........ اور نوجوانوں سے اپیل کرتے ہیں وہ تمام شعبوں میں انتہائی اعلیٰ سطح کی جدید تعلیم کو اپنا ہدف بنائیں۔ اس طرح سے انفرادی عزت وعظمت میں اضافہ کی راہیں کھلیں گے، دنیوی راحت وآسائش بھی میسر ہوگی اور بحیثیت مجموعی امت کی بھلائی کے لیے بہتر طور پر اپنا کردار ادا کر سکیں گے۔

سنی کانفرنس کا یہ عظیم اجتماع سمجھتا ہے کہ حصول علم اور اکل حلال ہماری اسلامی تعلیمات اور طرزِ زندگی کا بنیادی اور مرکزی ستون ہے اور مسلمان کی انفرادی، خانگی، اجتماعی، معاشی اور معاشرتی زندگی پر اس کے دور رس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ حال ہی میں یورپ اور برطانیہ کی بعض انتہائی دائیں بازو کی جماعتوں کی طرف سے حلال ذبیحہ کے خلاف اٹھنے والی آوازوں کے حوالے سے برطانوی وزیر اعظم کا واضح اور غیر مبہم اعلان کہ حلال ذبیحہ پر نہ کوئی پابندی لگائی جائے گی اور نہ ہی اس کی حمایت کریں گے، کو سراہتے اور امید کرتے ہیں کہ دیگر ملکی بڑی سیاسی جماعتیں بھی اس حوالے سے واضح پالیسی جاری کریں گے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ برطانیہ میں آباد دو ملین سے زائد مسلمانوں کو سٹن یا نان سٹن یا اس قسم کی دیگر علمی فنی پیچیدگیوں اور تشویش سے نکالنے کے لیے برطانیہ کے معتبر اور مستند علمائے کرام اور اس میدان کے فنی ماہرین پر مشتمل ایک مشترکہ بورڈ تشکیل دیا جائے جو اس حوالے سے اٹھنے والے تمام سوالات، اعتراضات اور شکوک وشبہات کا مکمل جائزہ لے کر مسلمانوں کی رہ نمائی کے لیے ایک واضح اور جامع حل پیش کرے تاکہ ان واضح اور رہ نما اصولوں کے مطابق مسلمانوں کو حلال ذبیحہ اور دیگر اشیائے خورد ونوش میں حلال کی فراہمی کو یقینی بنایا جا سکے۔

سنی کانفرنس کا یہ عظیم الشان اجتماع سمجھتا ہے کہ اسلام دشمن قوتوں اور اسلامی لبادہ میں ملبوس انتہا پسندوں کے گم راہ کن خیالات، پروپیگنڈہ اور پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کے ازالہ کے لیے ہمیں برطانیہ کے قومی سیاسی دھارے میں شامل ہو کر آئندہ آنے والے لوکل اور آئندہ سال کے عام انتخابات میں اپنے ووٹ کا صحیح استعمال اور بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہاں کے لوکل اور اعلیٰ ایوان میں اسلام اور مسلمانوں کی صحیح تصویر اور بھرپور آواز پیش کرنے کے سب سے موثر راستہ، ذاتی مفاد اور برادری ازم کے بجائے مسلمانوں کے اجتماعی تعلیمی، معاشی، معاشرتی اور سماجی مسائل کا ادراک کرنے والے، انھیں موثر انداز میں پیش کرنے اور حل کرنے کی صلاحیت رکھنے والے افراد اور جماعتوں اور ان امور کو اپنے منشور میں شامل کرنے والوں کی حمایت کرنا ہے۔

☆☆☆☆

برطانیہ میں ۱۸ ویں بین الاقوامی کانفرنس

اور منظور شدہ قرار داد

از: مولانا فروغ القادری

جماعت اہلِ سنت برطانیہ کی جانب سے جامع مسجد گھمکول شریف برمنگھم انگلینڈ میں یک روزہ بین الاقوامی کانفرنس بروز اتوار ۱۱ر مئی ۲۰۱۴ء کو شیخ الاسلام داعی کبیر حضرت علامہ پیر محمد علاء الدین صدیقی مدظلہ العالی سجادہ نشیں آستانہ عالیہ نیریاں شریف و چیرمین نور ٹی وی برمنگھم انگلینڈ کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں برطانیہ، افریقہ، پاکستان اور یورپی ممالک کے نام ور علمائے کرام اور قائدین اہل سنت نے خصوصیت کے ساتھ شرکت فرمائی۔ مقررین نے عصر جدید میں اٹھنے والے لا دینی اور میڈیائی فتنوں کے مدِ مقابل اسلام کے علمی، عملی اور تعمیری اقدام کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ آج مغربی دنیا اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت سے خائف ہے۔ اسلام کا سنجیدہ مطالعہ کرنے والے اس بات کا برملا اعتراف کرتے ہیں کہ اسلام انسانیت کا مذہب ہے جو اپنی وحدت اور فکر و عمل میں رنگ و نسل کے امتیازات سے بالاتر ہو کر ہر فردِ بشر کو شاہ راہِ حیات کی اس تاب ناک منزل پر دیکھنا چاہتا ہے جہاں سے عظمتِ انسانی کے دروازے کھلتے ہیں۔ مغرب آج بھی مسلم سائنس دانوں کی دہلیز پر اپنی شوکت علم و فن کے ساتھ سر خمیدہ ہے۔ یورپی درس گاہوں میں جو نصابِ تعلیم موجود ہے اس میں نمایاں طور پر مسلم محققین اور قرون وسطیٰ کے جید اساتذہ کے مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اسلام دنیا کا نجات دہندہ مذہب ہے۔ اربابِ کلیسا تک دعوتِ دین کی ترسیل میں ہمیں حد درجہ اخلاص اور جذبۂ ایثار سے کام لینا ہوگا۔ مغربی ناقدین پاکستان، شام، لیبیا اور عراق میں ہونے والے دہشت گردانہ واقعات اور قتل و غارت گری کے مناظر کو اسلام سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ ان کی اسلام سے ناواقفیت کا ثبوت ہے، ہمیں ایسے بے بنیاد الزامات کے نتیجے میں اسلام کے نظام کو ممکنہ طور پر ہر فرد تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔ اسلام میں زندگی کا وہ تمام حسن اور حیاتِ انسانی کی وہ لازوال قدریں موجود ہیں، جس سے آج بھی دنیا کی متمدن قومیں محروم ہیں۔

مذکورہ بین الاقوامی کانفرنس سے حضرت علامہ الشیخ محمد علاء الدین صدیقی چیرمین نور ٹی وی برمنگھم، مولانا سید مظفر حسین شاہ جامعہ امجدیہ کراچی، مولانا مفتی محمد اکبر ہزاروی ساؤتھ افریقہ، الشیخ محمد احمد الدباغ یمن، مولانا محمد حنیف قریشی راول پنڈی پاکستان، مولانا مفتی حسین الدین شاہ، حسین پیر زادہ، انگلینڈ، مولانا مفتی محمد ضمیر ساجد، اسلام آباد، پاکستان، مولانا سردار احمد قادری، انگلینڈ۔ راقم الحروف محمد فروغ القادری و دیگر اربابِ علم و دانش ممبرانِ پارلیمنٹ اور اہم شخصیات نے خطاب فرمایا۔ اسٹیج پر علمائے کرام کی کثیر تعداد موجود تھی۔

مذکورہ کانفرنس میں جو قرار داد پیش کی گئی اس کا متن اختصار کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

”بین الاقوامی سنی کانفرنس کا یہ عظیم الشان اجتماع قرار دیتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں سے کسی کی بھی اہانت خواہ تحریر کے ذریعہ ہو، تقریر کے ذریعہ ہو، کارٹون کے ذریعہ ہو، صراحتاً ہو، اشارۃً ہو، یا کنایۃً اسلام کی رو سے قطعی حرام ہے اور مسلمان کے لیے یہ قطعاً ناقابلِ برداشت ہے اور یہ مسلمانوں کے عقیدے اور ایمان کا جزوِ لاینفک ہے۔ اگر ایک طرف اظہارِ رائے کی آزادی ایک مسلمہ عقیدے اور بنیادی ستون کی حیثیت اختیار کر چکی ہے تو دوسری طرف دوسروں کے مسلمہ افکار، نظریات اور معتقدات کا احترام اور انھیں ان کے مطابق جینے کا حق بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔ اس حوالے سے ہمیں اپنے نظریات دوسروں پر مسلط کر کرنے کی روش چھوڑ کر جیو اور جینے دو کے اصول کو اپنانا ہوگا۔ دنیا بھر کے ڈیڑھ ارب سے زائد مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا اور ان کے معتقدات اور شخصیات بالخصوص پیغمبرِ اسلام کی اہانت کے مکروہ اور ناپاک عمل کو کبھی بھی Freedom of Speech اور Freedom of Expression کے نام پر قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اس حوالے سے ہمیں دُہرے معیارات سے نکل کر اہانتِ انبیا کے حوالے سے بین الاقوامی سطح پر قانون سازی کرنی ہوگی۔

پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نے جمہوریت اور آزاد عدلیہ کی بحالی، قومی اور ملکی مسائل کی نشان دہی اور عوامی شعور کی بیداری میں بڑا اہم اور بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ میڈیا اور دفاعی اداروں کا باہمی ٹکراو کسی بھی صورت ملکی مفاد میں نہیں اور اس صورتِ حال سے یقیناً صرف ملک و قوم دشمن قوتوں کو فائدہ ہوگا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ دونوں اہم اداروں کو ملک کے آئین اور قانون اور مسلمہ جمہوری اصولوں کے مطابق اپنے اپنے دائرے میں رہ کر

ملک و قوم کی خدمت جاری رکھنا چاہیے۔ اور کسی کو بھی نہ ان حدود سے تجاوز کرنا چاہیے اور نہ اپنے آپ کو ان سے بالا سمجھنا چاہیے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت کو اس گمبھیر صورت حال میں چشم پوشی یا تاخیر کے بجائے اپنی آئینی اور قانونی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے مسائل کو الجھنے سے پہلے سلجھانے کا کردار ادا کرنا چاہیے۔

سنی کانفرنس کا یہ عظیم الشان اجتماع اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ مذاکرات اور گفت وشنید کے ذریعہ اس دور کی بدترین دہشت گردی، تشدد اور انتہا پسندی کا خاتمہ ہونا چاہیے، لیکن مذاکرات کے نام پر "مذاقِ رات" اتنے اہم اور انتہائی حساس معاملے کو صرف نشستن، خوردن اور برخاستن تک محدود کر کے بے مقصد طول دینا، حکومتی رٹ کو چیلنج اور ملکی آئین اور قوانین سے کھلواڑ کرنے والوں کو کھلی چھٹی اور مزید ڈھیل دینا کسی بھی صورت ملک اور قوم کے مفاد میں نہیں ہے۔

ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ حکومت ترجیحی بنیادوں پر ملک کے دفاعی، جمہوری، سیاسی اور مذہبی قوتوں کے اشتراک سے واضح ٹائم فریم کے ساتھ غیر مبہم، شفاف پالیسی اور لائحۂ عمل بنائے اور ممکنہ نتائج کے عدم حصول پر بلا تاخیر ملک سے بغاوت، آئین و قانون کی دھجیاں اڑانے والے، معصوم اور بے گناہ لوگوں کا خون بہانے، مقاماتِ مقدسہ، مساجد، مدارس اور مزارات کی بے حرمتی کرنے والے، ملکی املاک اور امیج کو تباہ کرنے والوں کے خلاف راست اقدام کر کے آہنی ہاتھوں سے نمٹتے ہوئے انھیں کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

بین الاقوامی سنی کانفرنس کا عظیم الشان اجتماع اپنے وطن برطانیہ میں حقوقِ انسانی کی تنظیموں، دانش وروں اور امن پسند طبقات سے سوال کرتا ہے کہ آج برطانیہ اور یورپ کا اجتماعی ضمیر کہاں ہے۔ عالمی قوتیں انصاف کا دامن چھوڑ دیں، دہرے معیارات اپنالیں، ظلم کی سرپرست ظالم کی حامی بن جائیں اور بین الاقوامی قوانین کا من پسند اطلاق اور تعبیر کرنے والے بن جائیں تو قدرت کا فیصلہ جلد یا بدیر آتا ہے۔ اور ان سے عالمی قیادت چھین لی جاتی ہے۔ ماضی کی عالمی طاقتوں کا زوال اور کھنڈرات و آثارِ قدیمہ اس کا واضح ثبوت ہے۔ ہم برطانیہ کے اہلِ نظر سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ زوال کی اس روش کو تبدیل کر کے ارتقا کی شاہ راہ پر گام زن ہوں اور فلسطین میں اسرائیلی مظالم کے آگے سدِ سکندری اور اسرائیل جب تک فلسطینیوں کو ان کا حق وطن نہ دے ان دونوں ملکوں کا عالمی بائیکاٹ کیا جائے۔ اور ان کے خلاف سنگین پابندیاں عائد کی جائیں۔

شام کی خانہ جنگی میں ایک اندازے کے مطابق ایک لاکھ سے زائد افراد ہلاک ہو چکے ہیں، جن میں ایک بڑی تعداد بے گناہ افراد، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں پر مشتمل ہے۔ عالمِ اسلام کے عظیم اسکالرز، علمی اور فکری شخصیات کے قتل، مزارات اور مساجد کے انہدام، علمی ثقافتی اور تاریخی ورثے کی بربادی پر ہمارے دل خون کے آنسو رو رہے ہیں۔

یو این او اور بین الاقوامی طاقتوں کو اپنے مفادات، ذاتی ایجنڈوں اور پسند ناپسند سے نکل کر اس خون ریزی اور خانہ جنگی کو رکوانے کے لیے فوری مؤثر اور عملی اقدامات اٹھانے چاہئیں، ورنہ خدانخواستہ اس جنگ کے تیزی سے پھیلنے والے اثرات اور نقصانات مزید غم واندوہ اور کرب والم کا شعلۂ جوالہ بن کر آس پاس کے خطوں کو بھی اپنی لپیٹ میں نہ لے لے، جس سے نہ صرف مشرقِ وسطیٰ، عالمِ عرب، بلکہ دنیا بھر کے امن کو بھی لاحق خطرات کے سائے مزید گہرے ہوتے چلے جائیں۔

بین الاقوامی سنی کانفرنس کا یہ عظیم الشان اجتماع اس امر پر انتہائی تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ برطانیہ میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب تین فیصد ہے، لیکن جیلوں میں دیگر مجرموں کے مقابلے میں ان کا تناسب تقریباً چودہ فیصد ہے۔ نوجوانوں میں سیکس گرومنگ، گینگ وار اور ڈرگ جیسے مسائل پوری مسلم کمیونٹی کے لیے بدنامی اور شرمندگی کا باعث ہیں۔ یہ صورتِ حال ہمارے لیے انتہائی تشویش ناک ہے۔ مسلمان والدین، خاندان کے افراد، مختلف سطح کی تنظیموں، مساجد اور تعلیمی مراکز کو اس پر غور کرنا چاہیے۔ سب کو نوجوانوں کی اصلاح کے لیے ایک ہنگامی پروگرام مرتب کرنا چاہیے۔ نوجوانوں میں دینی واخلاقی تربیت اور اعلیٰ انسانی قدروں کے فروغ کے لیے شارٹ کورسز اور مختلف تربیتی کیمپس کا انعقاد ہونا چاہیے اور اس کا نیٹ ورک برطانیہ کے تمام شہروں میں ہونا چاہیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماں باپ اپنی دنیا آباد کرنے اور تنظیمی مراکز اور اپنے انتظامی معاملات میں اس قدر مشغول ہو چکے ہیں کہ آنے والی نسلوں کی عاقبت کو فراموش کرتے جا رہے ہیں۔ تمام مسلمانوں کو اپنے اس اجتماعی رویے پر غور کرنا چاہیے۔ کسی بھی مسلمان کے لیے اپنی دینی اقدار کی قیمت پر دنیوی عشرتوں کا حصول یقیناً خسارے کا سودا ہے۔

صرف مغربی معاشرے میں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں باعزت مقام حاصل کرنے کے لیے اعلیٰ تعلیم اولین شرط ہے۔ برطانوی شہری ہونے کے ناطے ہم تمام مسلمان خاندانوں......... (باقی ص: ۵۲ پر)

خیر و خبر

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے ناظم اعلیٰ الحاج سرفراز احمد کی والدہ محترمہ کا انتقال پر ملال

عالمی شہرت یافتہ درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے ناظم اعلیٰ الحاج سرفراز احمد کی والدہ محترمہ حدیث النساء (۷۲) زوجہ الحاج عبد الرحمن صاحب کا ۲۹؍ مئی ۲۰۱۴ میں، شب ایک بج کر پندرہ منٹ پر انتقال پر ملال ہو گیا، خبر ملتے ہی جملہ اہل خانہ غم اندوہ میں ڈوب گئے۔

ناظم اعلیٰ الحاج سرفراز احمد کی والدہ محترمہ حدیث النساء کی طبیعت رات ۱۲؍ بجے سے کچھ علیل تھی سانس لینے میں پریشانی معلوم ہوئی آنا فانا اہل خانہ ڈاکٹر شمیم احمد (موجودہ چیرمین) کے پاس لے گئے جہاں سے کچھ دوا علاج کے بعد اعظم گڑھ لائف لائن کے لیے ریفر کیا گیا، جہاں لوگ لے کر پہنچے مگر اندر داخل ہونے سے پہلے گاڑی پر ہی ڈاکٹر نے چیک اپ کر کے بتادیا کہ اب وہ اس دار فانی کو چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملی ہیں اہل خانہ مرحومہ کو لے کر وہیں سے گھر واپس ہو گئے۔ گھر آتے ہی رات ہی سے تعزیت کرنے والے اور احباو اقربا کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بعد نماز جمعہ راجہ مبارک شاہ مسجد کے سامنے صحن میں تقریبا دس ہزار مجمع کے ساتھ جامعہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ علامہ عبد الحفیظ کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ مرحومہ کو ان کے آبائی قبرستان اونچی تکیہ میں ہزاروں سوگواروں نے سپرد خاک کیا۔ مرحومہ صوم صلوٰۃ کی پابند، ملنسار اور بلند اخلاق تھیں جو بھی مہمان ان کے گھر آتا تھا بڑے خلوص کے ساتھ اس کی مہمان نوازی کیا کرتی تھیں، امور خانہ داری میں بے مثال تھیں اور سماجی و ملی کاموں کے لئے اکثر اپنے فرزندوں کو پیش پیش رہنے کی تلقین کیا کرتی تھیں ان کی اچھی پرورش کا نتیجہ ہے کہ آج ان کے بڑے فرزند الحاج سرفراز احمد معروف درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی بحسن و خوبی نظامت فرما رہے ہیں اور جامعہ اشرفیہ کے لیے اپنے کو وقف کر دیا ہے اور الحمد اللہ ان کی نظامت میں یہ درس گاہ تعلیمی و تعمیری بلکہ ہر اعتبار سے شب و روز ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

مرحومہ کے وارثین میں ان کے شوہر نامدار حاجی عبد الرحمان کے علاوہ پانچ لڑکے حاجی سرفراز احمد، حاجی محمد فیصل، حاجی فیضان احمد، حاجی رضوان احمد، حاجی صابر نواز کے علاوہ چار لڑکیاں ہیں۔

جنازہ میں مولانا سید محمد لئیق سجادہ نشین خانقاہ سراحوض سنڈیلہ، جامعہ اشرفیہ کے پرنسپل علامہ محمد احمد مصباحی، مولانا مسعود احمد برکاتی، مولانا مبارک حسین مصباحی، چیرمین ڈاکٹر شمیم احمد، سابق چیرمین حاجی محمد یونس انصاری، حاجی محمد اشہد انصاری، مولانا نعیم الدین عزیزی، مولانا حسیب اختر مصباحی، ماسٹر فیاض احمد، مولانا عرفان احمد مصباحی، مولانا طفیل احمد مصباحی، مولانا اسرار الحسن انصاری، مولانا نعیم اختر مصباحی، حاجی سلطان احمد، مولانا جمال ہاشم، رضوان احمد کٹرہ، جناب شکیل احمد سہارا حاجی اکرم، حاجی ظہر الدین محمد آباد، حاجی اخلاق خیر آباد وغیرہ کے علاوہ قرب و جوار اور قصبہ کے مدارس کے ذمہ داران، اساتذہ اور طلبہ کثیر تعداد میں موجود تھے۔

از: محمد رحمت اللہ مصباحی، آفس انچارج تنظیم ابنائے اشرفیہ، مبارک پور
marufi786@gmail.com

احمد آباد میں جشن ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری

۳؍۴؍ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ/مطابق ۳؍۴؍ مئی ۲۰۱۴ء دار العلوم شیخ احمد کھٹو، سرخیز احمد آباد گجرات کے زیر اہتمام، دار العلوم کے وسیع و عریض ہال میں مفتی شبیر احمد صدیقی قاضی شریعت مرکزی ادارۂ شرعیہ گجرات کی صدارت اور فاضل جلیل مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی کی قیادت میں جشن ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری منایا گیا اس موقع پر دو روزہ تحریری، تقریری اور نعتیہ انعامی مقابلہ کا بھی انعقاد ہوا جس میں شہر احمد آباد کے چار بڑے ادارے (دار العلوم شاہ عالم، دار العلوم شیخ احمد کھٹو، سرخیز، دار العلوم سید ناصدیق اکبر رضی اللہ عنہ سرخیز، اور جامعہ فیضان مدینہ مرزاپور) سے کل ۱۱۵؍ طلبہ نے حصہ لیا، جن میں سے ۷۴؍ طلبہ مقالہ نگاری میں، ۳۳؍ تقریر میں، اور ۳۵؍ نے نعت میں حصہ لیا یہ مقابلہ ۳؍ مئی بعد نماز مغرب شروع ہو کر ۴؍ مئی پانچ بجے شام اختتام پذیر ہوا۔

پہلے روز کی نقابت مولانا مفتی سرفراز احمد شمسی استاذ دار العلوم ہذا نے انجام دیے جب کہ دوسرے روز کی نقابت مولانا مفتی فاروق اعظم شمسی نے کی فیصل کے فرائض مفتی اصغر علی اشرفی پرنسپل: دار العلوم شاہ عالم احمد آباد، اور مفتی شبیر عالم مصباحی استاذ و مفتی دار العلوم انوار مصطفی رضا دھرول گجرات نے انجام دیے۔ اخیر میں مفتی گجرات مفتی شبیر عالم صدیقی نے تمام مندوبین، اور شرکاے مقابلہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مقابلہ کے اصول پر مختصر مگر جامع و مدلل خطاب فرمایا، نیز بحیثیت ناظم اعلی انہوں نے کہا کہ ہم یقین دلاتے ہیں کہ آئندہ سال ہم بڑے پیمانے پر اس مقابلہ کا انعقاد کریں گے، اور جتنے مضامین مقابلہ میں موصول ہوں گے اسے شائع بھی کریں گے۔

تحریری اور تقریری مقابلہ چار گروپ میں منقسم تھا، (گروپ الف، ج، ب، د) اور ہر گروپ سے دو طالب علم انعام کے لیے منتخب کیے گئے اول اور

دوم پوزیشن حاصل کرنے والوں کو اعزازی انعام سے نوازا گیا۔

مقالہ نگاری میں پہلی اور دوسری پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کے نام درج ذیل ہیں: گرووپ (الف) پہلا انعام: محمد مسعود درجہ ثانیہ دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد (عنوان: اسلام میں شوہر و بیوی کا مقام) دوسرا انعام: ضیاء الرحمٰن اولیٰ دارالعلوم شاہ عالم ۔۔ (عنوان: علم و علما کی فضیلت)۔گروپ (ب) پہلا انعام: محمد اسلام، درجہ ثالثہ، جامعۃ المدینۃ فیضان اولیا، احمد آباد، (عنوان: علم و علما کی فضیلت)۔دوسرا انعام: محمد اعجاز، ثالثہ، دار العلوم سیدنا صدیق اکبر، احمد آباد، (مقالہ: شیخ احمد کھٹو کا روحانی مقام)۔گروپ (ج) پہلا انعام: محمد زبیر، درجہ سادسہ، دارالعلوم شاہ عالم، احمد آباد، (: حضرت شاہ وجیہ الدین علوی کی علمی خدمات)۔دوسرا انعام: محمد شہنواز، درجہ سادسہ، دار العلوم شیخ احمد کھٹو، احمد آباد، (علامہ ظفر الدین بہاری کا علمی مقام)۔گروپ (د) پہلا انعام: محمد کمال حسین، شعبہ تخصص فی الفقہ، دار العلوم شیخ احمد کھٹو، (عنوان: دور حاضر میں علمائے اسلام کی ذمہ داریاں) دوسرا انعام: جاں باز، درجہ فضیلت، دار العلوم سیدنا صدیق اکبر، (عنوان اکابر دیوبند کے کفریات کا علمی محاسبہ)

نعتیہ مقابلہ میں پہلی اور دوسری پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کے نام درج ذیل ہیں: پہلا انعام: محمد حشم الدین، درجہ رابعہ، دار العلوم شاہ عالم دوسرا انعام: محمد مقدر، درجہ اولیٰ، دار العلوم شیخ احمد کھٹو۔

تقریری مقابلہ میں پہلی اور دوسری پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کے نام درج ذیل ہیں: گروپ (الف) پہلا انعام: محمد علی اصغر، درجہ حفظ، دار العلوم سیدنا صدیق اکبر۔ (موضوع: اسلامی معاشرہ و اصلاح معاشرہ)۔دوسرا انعام: محمد شعیب، درجہ ثانیہ، دار العلوم شاہ عالم ۔(مجدد الف ثانی کے تجدیدی کارنامے)۔گروپ (ب) پہلا انعام: محمد آصف، درجہ ثالثہ دارالعلوم شیخ احمد کھٹو۔ (مخدوم سمناں ایک بافیض ولی کامل) دوسرا انعام: عطاء اللہ، درجہ ثالثہ، دارالعلوم سیدنا صدیق اکبر۔ (اطاعت والدین)۔گروپ (ج) پہلا انعام: محمد شہنواز، درجہ سادسہ، دارالعلوم شیخ احمد کھٹو۔ (ملک العلما: مظہر اعلی حضرت) دوسرا انعام: محمد شاداب، درجہ سادسہ، دار العلوم سیدنا صدیق اکبر۔ (حضرت قطب عالم و شاہ عالم کی روحانی خدمات)۔گروپ (د) پہلا انعام: محمد زاہد حسین، شعبہ تخصص فی الفقہ، دار العلوم شیخ احمد کھٹو۔ (امام اعظم کا فقہی تبحر) دوسرا انعام: غلام مصطفی، درجہ فضیلت، دار العلوم شیخ احمد کھٹو۔ (عظمت اہل بیت مصطفی ﷺ)

رزلٹ سنانے سے پہلے مفتی اصغر علی اشرفی، مفتی شبیر عالم مصباحی، مولانا حضیر الدین مصباحی (استاذ دارالعلوم سیدنا صدیق اکبر) مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی بالترتیب اپنے تاثرات پیش کیے، اس موقع پر مفتی ولی اصغر وحیدی و دیگر اساتذہ دارالعلوم ہذا، مولانا شہاب الدین مصباحی، مولانا قاسم مصباحی، مولانا ساجد شمسی (اساتذۂ دارالعلوم شاہ عالم) اور دارالعلوم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اساتذہ بھی موجود تھے، اخیر میں مولانا فاروق اعظم شمسی نے ہدیہ تشکر پیش کیا، اور پھر صلاۃ و سلام پر مقابلہ کا اختتام ہوا۔

رپورٹ: ہارون عالم صدیقی دارالعلوم شیخ احمد کھٹو، سرخیز احمد آباد

جامعہ حضرت نظام الدین اولیا نئی دہلی میں اعلانِ داخلہ

جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، ذاکر نگر، نئی دہلی (بانی قائد اہلسنت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ) اہلسنت و جماعت کا ممتاز اور اپنی نوعیت کا منفرد دعوتی تعلیمی اور تربیتی ادارہ ہے جہاں مدارس اسلامیہ کے فارغ التحصیل ذہین و فطین علما کو دوسالہ کورس (تخصص فی الأدب والدعوۃ) کے ذریعہ عربی اور انگریزی زبان و ادب، تقابل ادیان اور کمپیوٹر کی اعلیٰ تعلیم دے کر بین الاقوامی سطح پر دعوتی کام کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ان کے لیے ادارہ کی طرف سے معقول قیام و طعام کی سہولت فراہم کی جاتی ہے۔جامعہ کا تعلیمی معادلہ جامعہ ازہر مصر سے ہے ہر سال یہاں سے طلبہ جامعہ ازہر مصر جاتے ہیں۔عالمیت یا فضیلت کی سند حاصل کر چکے طلبہ یہاں داخلہ لینے کے اہل ہیں۔اس کے علاوہ جامعہ میں شعبۂ حفظ و تجوید کا بھی اہتمام ہے، جس میں ماہر اساتذہ کے ذریعہ طلبہ کو تعلیم دی جاتی ہے۔

جامعہ ہذا میں داخلہ کے خواہشمند امیدوار درج ذیل ہدیات و اعلانات کے مطابق اپنی درخواستیں دفتر جامعہ کو ارسال کردیں۔

تعلیمی سال (۱۵-۲۰۱۴ء / ۳۶-۱۴۳۵ھ) کے لیے داخلہ شیڈول حسب ذیل ہے۔

☆ درخواست جمع کرنے کی آخری تاریخ: ۱۱/ شوال ۱۴۳۵ھ / ۹/ اگست ۲۰۱۴ بروز شنبہ ☆ تحریری ٹسٹ (تخصص فی الأدب): ۱۲/ شوال ۱۴۳۵ھ / ۱۰/ اگست ۲۰۱۴ بروز یکشنبہ ۹:۳۰/ بجے صبح ☆ انٹرویو: (تخصص فی الأدب): ۱۳/ شوال ۱۴۳۵ھ / ۱۱/ اگست ۲۰۱۴ بروز دوشنبہ ۹:۳۰/ بجے صبح ☆ ٹسٹ (شعبۂ حفظ و تجوید): ۱۵/ شوال ۱۴۳۵ھ / ۱۳/ اگست ۲۰۱۴ بروز چہار شنبہ ۹:۰۰/ بجے صبح ☆ نتائج کا اعلان: ۱۴/ شوال ۱۴۳۵ھ / ۱۲/ اگست ۲۰۱۴ بروز سہ شنبہ (متوقع)

نوٹ: بوقت داخلہ اہلسنت و جماعت کے ادارہ سے عالمیت یا فضیلت کی اصل سند اور مارکشیٹ جمع کرنا ضروری ہے (موجود نہ ہونے کی صورت میں داخلہ ہو جانے کے پندرہ دن کے اندر جمع کرنا لازمی ہے)

جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، گلی نمبر ۲۲، ذاکر نگر، اوکھلا، نئی دہلی۔ ۲۵

درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں: آفس: ۰۱۱-۲۶۹۸۴۷۴۱ محمد رضا قادری مصباحی: ۰۹۶۵۰۸۶۹۴۲۲ محمد سیماب اختر: ۰۹۹۹۰۱۲۳۵۳۶